نام کتاب ——— ذکرِ مبارک
آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام مصنف ——— قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی
کاندھلوی، مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ۔

باہتمام ——— حضرت الحاج الحافظ صغیر احمد صاحب زاد مجدہٗ

کتابت ——— ریاض احمد ساغر

تعداد ——— گیارہ سو (۱۱۰۰)

سنہ طباعت ——— باراوّل ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

ناشر ——— شعبہ نشر واشاعت مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویہ
شارع الامیر معاویہ ڈاک خانہ ریواز گارڈن لاہور ۵۴۰۰۰۔

اس مبارک رسالہ کی دستیابی کے مراکز

۱	مکتبۃ الحرمین دبئی الامارات العربیۃ المتحدہ	۰۰۹۷۱-۴-۲۷۳۱۹۷۹
۲	مکتبۃ الحرمین، الحمد پلازہ، اُردو بازار، لاہور	۰۳۲۱-۴۳۹۹۳۱۳
۳	ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور	۷۳۵۳۲۵۵
۴	مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور	۷۲۲۸۲۷۲
۵	مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار، لاہور	۷۲۳۲۵۳۶
۶	مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور	۷۲۲۴۲۲۸
۷	قدیمی کتب خانہ کراچی	۰۲۱-۲۶۲۷۶۰۸
۸	زم زم پبلشرز، کراچی	۰۲۱-۲۷۶۱۶۷۱
۹	مکتبہ بیت العلم کراچی	۰۲۱-۲۲۱۳۷۶۸
۱۰	دارالاشاعت کراچی	۰۲۱-۲۲۱۳۷۶۸
۱۱	مکتبہ امدادیہ، ملتان	۰۶۱-۴۵۴۴۹۶۵
۱۲	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ	۰۸۱-۲۶۶۸۲۵۷
۱۳	ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ والا گیٹ، ملتان	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والحمد للہ ربّ العالمین ۔ اللّٰھم صلّ وسلّم دائما ابدا علی حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡن

دین سے بیزاری اور مادیت پرستی کے اس دور میں روز بروز ایسے فتن کا ظہور ہو رہا ہے۔ جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کمی، آپ کی سُنتوں کا اتباع اور اسوہ حسنہ سے عملی دُوری بڑھتی جا رہی ہے ایسے حالات میں ان فتن کے سدِباب کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ لوگوں کے قلوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے سرشار ہوں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کر کے دُنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مؤسس و سرپرست مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویہ حضرت جی زید مجدہ حضرت اقدس الحافظ صغیر احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز کی تصنیف لطیف تاریخ مشائخ چشت سے ذکرِ مبارک سید الکونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کڑھن و لگن کے پیشِ نظر اشاعت کے لیے منتخب فرمایا کہ کسی طرح علوم نبویہ کے طلباء کے قلوب میں آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی محبت اتر جائے اور اربابِ مدارس داخلِ نصاب فرمالیں نیز عامۃ المسلمین بھی اس سے خوب، خوب مستفیض ہوں۔

استدعاء

کتاب کی تصحیح کا اہتمام والتزام حتی المقدور کیا گیا ہے پھر بھی بندہ کمزور ہے، سہو خطأ کا امکان ہے ناظرین اگر کہیں کتابت کی غلطی پائیں تو ضرور بالضرور مطلع فرمائیں۔ آئندہ اشاعت میں تصحیح کر دی جائیگی ان شاء اللہ کارکنان ادارہ آپکے اس تعاون پر ممنون ہونگے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ وَتُبۡ عَلَیۡنَا یَا مَوۡلَانَا اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ بِجَاهِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الۡکَرِیۡمِ عَلَیۡهِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسۡلِیۡمِ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡن

فقط والسلام، دعاؤں کے محتاج

ناشرین و خدام مدرسہ

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

امّا بعد! کہ اس بات پر تمام علماء وصلحاء اُمت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ و خالق ومالک کی ذات با عظمت وکبریائی کے بعد سب سے اعلیٰ وارفع واکرم مقام نبی الانبیاء، خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

نیز اس بات پر بھی تمام محققین اکابر علماء محدثین وفقہاء وصوفیاء کرام وغیرہم متفق ہیں کہ: خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ لولاک ہیں۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ نبیوں کو پیدا فرماتے نہ یہ آسمان ہوتے نہ زمین ہوتی اور نہ ہی یہ کائنات کا نظام ہوتا۔

اس بارے میں جو احادیث مبارکہ ہیں ان کی سند میں گو محدثین ومحققین کا اختلاف ہے کہ بعض حضرات اُنھیں صحیح وحسن بتاتے ہیں اور بعض ضعیف اور بعض موضوع۔ مگر علامہ شیخ ابن تیمیہ جیسے محققین کی رائے بھی صراحتہً یہ ہے کہ یہ مضمون فی نفسہ برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انھی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سارے عالم کو پیدا کیا گیا۔ اپنے فتاویٰ میں اس پر مفصل بحث فرما کر انھوں نے اسے اُصولِ قرآن وسُنت سے ثابت فرمایا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے "نعتیہ قصیدہ بہاریہ" میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کہ اھل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کا حق ادا فرمادیا۔

الٰہی کس سے بیان ہو سکے ثناء اُس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو!
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رُتبہ کہاں عقل نارسا اپنی
کہاں وہ نورِ خُدا اور کہاں یہ دیدہ زار

چراغِ عقل ہے گُل اُسکے نُور کے آگے
زبان کا مُنہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار
جہاں کہ جلتے ہوں پَرِ عقلِ کل کے بھی پھر کیا
لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار
مگر کرے مری رُوح القدس مددگاری
تو اس کی مدح میں مَیں بھی کروں رقم اشعار
جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے
تو آگے بڑھ کے کہوں: اے جہاں کے سردار
تُو فخرِ کون ومکاں زبدہ زمین وزماں
اُمیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
تُو بُوئے گُل ہے اگر مثلِ گُل ہیں اور نبی
تُو نُورِ شمس گر اَور انبیاء ہیں شمس و نہار
حیاتِ جان ہے تُو، ہیں اگر وہ جانِ جہاں
تُو نُورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدہ بیدار
طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی
بجا ہے کہیئے اگر تم کو مبداُ الآثار
جلُو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
قیامت آپ کی تھی دیکھئے تو اک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
پہنچ سکا ترے رُتبہ تلک نہ کوئی نبی!
ہُوئے ہیں معجزہ والے بھی اِس جگہ ناچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوّت کے
کریں ہیں اُمتی ہونے کا یا نبی اِقرار

لگا تا ہاتھ نہ پُتلے کو بوالبشر کے خُدا
اگر ظہُور نہ ہوتا تمھارا آخرکار

اِس نبی اعظم رسُولِ اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور اخلاقِ فاضلہ اور حالاتِ کریمہ کو کما حقہٗ کون بیان کرسکتا ہے؟ البتہ اپنی خوش نصیبی سمجھ کر علماءِ اُمت ہر دَور میں اس بارے میں سعی فرماتے رہے۔ اور یہ بات تحقیقاً کہی جاسکتی ہے کہ فخرِ موجودات ﷺ کی سیرت مبارکہ پر جتنا کچھ مختلف انداز سے لکھا جا چکا ہے اُس کا عشرِ عشیر بھی کسی اور انسان کے بارے میں نہیں لکھا جاسکا۔

سیرت النبی ﷺ اور انکے مبارک حالات واخلاقِ کریمہ کا تذکرہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ رب العالمین نے انبیاء ورُسل علیہم الصلاۃ والسّلام کے مختلف واقعات۔ حالات اخلاق وسیرت کے تذکرے قرآن مجید میں جگہ جگہ کہیں مختصر کہیں مفصّل ذکر فرمائے ہیں۔

سُورۃ ھُود کے آخیر میں مختلف پیغمبروں کے قصّے وواقعات ذکر کرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

"وکلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك وجاءك فی هذه الحق وموعظة وذکری للمؤمنین"

ترجمہ: "اور پیغمبروں کے قصّوں میں سے ہم یہ سارے قصّے آپ سے بیان کرتے ہیں جنکے ذریعہ سے ہم آپکے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپکے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست ہے اور مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے اور یاددھانی ہے۔" (بیان القرآن)

حضرات علماء ومشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے سیرت انبیاء اور انکے احوال وواقعات کے تذکرہ کے تین فوائد بیان فرمائے ہیں۔

۱ اس سے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے ایمان ویقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے، دل کو تسلی وتسکین حاصل ہوتی ہے۔

۲ اور اس سے قراء وسامعین کو نصیحت وعبرت حاصل ہوتی ہے جسکی وجہ سے بُرے کاموں اور فواحش ومنکرات سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے۔

۳ اچھے اور نیک کام کرنے کی یاد دھانی اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔

علماء کرام نے سیرت مبارکہ کے ذکر و تذکرہ اس کی نشر و اشاعت کو انتہائی پسندیدہ اور مستحب عمل قرار دیا ہے۔

نہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات انکے تقویٰ عبادت جہاد دعوت و ذکر و تلاوت کے واقعات بلکہ وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی تعلق ہو جیسے انکے بول و براز نشست و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین کے غبار اور انکی سواری گدھا و خچر وغیرہ کے پیشاب وغیرہ کے تذکرہ کو بھی قربتِ الٰہی کا ذریعہ بتایا ہے۔ جیسا کہ فخر العلما شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے اپنی تصنیف لطیف "المہند علی المفند" میں بھی اسکی تصریح و توضیح فرمائی ہے اور یہی تمام محققین اساطین علم و دین کا ہمیشہ موقف رہا ہے۔ اسی لیے علماء و مشائخ کرام ہر دور میں اپنی سعادت جان کر سیرت مبارکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ أبی و أمی) کے احوال و واقعاتِ زندگی انکے مبارک ذکر و تذکرے کا تحریراً و تقریراً نثراً و نظماً اہتمام فرماتے رہے۔

ہمارے شیخ قطب الاقطاب برکۃ العصر صاحب سر نبی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی صدیقی قدس اللہ سرہ العزیز کی تو ویسے ہی ہر چھوٹی بڑی تالیف بلکہ تحریر محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق نبوی سے لبریز ہوتی ہے۔ مگر حضرت اقدس کا مضمون " ذکرِ مبارک" جو کہ " تاریخ مشائخ چشت" کی ابتداء میں مذکور ہے۔ سیرت مطہرہ کے سلسلہ میں علمی لحاظ سے نہایت جامع و مانع عشق و محبّت سے لبریز تحقیقی لحاظ سے نہایت معتمد۔ پھر حضرت شیخ کی شگفتہ تحریر دلچسپ انداز گویا اس مضمون میں حضرت شیخ نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن الإسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تالیف کردہ اردو میں فضائل کے رسائل جو پوری دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکے ہیں کہ مستند اہل علم کی محقق رائے ہے کہ اس وقت پورے عالم میں قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) ہے۔ یہ امر حدیث شریف میں جو آتا ہے "فیوضع لہ القبول فی الارض" کا حقیقی اور واضح مصداق ہے۔ پھر حضرت شیخ کی وسعت علمی اور تحقیقی شان حدیثِ نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام

سے بچپن سے لیکر آخر عمر مبارک تک درسی۔ تدریسی۔ تالیفی اور تحقیقی وابستگی کہ اہلِ علم کے ہاں متفقہ امر ہے کہ اگر مطلقاً "شیخ الحدیث" کہا جائے گا تو اُن سے حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز ہی مراد ہونگے۔" ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

حضرت شیخ کے خُدّام و متعلقین میں یہ بات شدّت سے محسوس کی جارہی تھی کہ یہ مبارک مضمون "ذکرِ مبارک" مستقل طور سے طبع کراکر شائع کیا جائے تاکہ سیرت طیّبہ اس کے اہم واقعات و احوال کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و معارف (جو اِن کی طے میں ہیں) سے بھی عامۃ المسلمین استفادہ فرما سکیں اور اس سے اللہ کے حبیب و محبُوب نبی کریم صلوٰۃ اللہ و تسلیماتہٗ علیہ اور انکے آلِ اطہار و ازواج مطہرات اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت صادقہ اور تعلق قلبی میں اضافہ ہو جو کہ عین ایمان ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّبَلِّغُنَا اِلٰى حُبِّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ۔

اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان جزاء خیر عطا فرمادیں ہمارے مخدوم مکرّم و محترم حضرت الحاج الحافظ صغیر احمد صاحب مدظلہ العالی کو جو کہ حضرت شیخ قدس سرہ کے سچے مُحبّ اور عاشق صادق ہیں۔ انکے خلیفہ مجاز اور فناء فی الشیخ کے عالی مرتبہ پر فائز ہیں اسی خصوصی تعلق اور قرب خاص کا ثمرہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب اداماللہ ظلہ و بارک فی جہود المبارکہ ہمیشہ اپنے مُرشد پاک حضرت شیخ قدس سرہ کے علوم و معارف کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر خوب سے خُوب تر کے لیے فکر مند اور کوشاں رہتے ہیں۔

اپنے شیخ سے جو عشق نبوی انھیں وراثت میں ملا ہے اس کی بنا پر انھوں نے حضرت شیخ کی تالیف "تاریخ مشائخ چشت" میں سے "ذکرِ مبارک" آقائے نامدار سرکار دو جہاں حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقلاً علیحدہ شائع کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ عمومی فائدہ کے لئے حضرت ہی کے چند دیگر اہم مضامین کا ان کی مختلف تالیفات سے لیکر اضافہ بھی کیا ہے۔ فجزاه الله خير الجزاء۔

بعض خصُوصیات رسالہ "ذکرِ مبارک"

(۱) نبی اکرم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے "ذکرِ مُبارک" کے بعد مزید فائدہ کے لیے حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولادِ کرام رضوان اللہ علیہم نیز حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی حیاۃ مبارکہ کا بھی "ذکرِ خیر"

شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔

(ب) یہ مجموعہ ایسی باعظمت و باکمال شخصیّت کا مرتب کردہ ہے جسکی ساری عمر ہی سُنّتِ مطہرہ کی خدمت میں گذری اور پچاس سال سے زیادہ درسِ کتبِ حدیث اور شروح حدیث کی تالیف و تصنیف میں گذرے۔

(ج) یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود عام فہم اتنا ہے کہ ہر سطح کا ایمان والا شخص خوب خوب مستفیض ہو کر دارین کی ترقیات اور صلاح و فلاح پانے والا خوش نصیب بن سکتا ہے۔

(د) اختصار کے باوجود یہ رسالہ نبی اکرم و شافع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اکثر و بیشتر اہم واقعات اور خصوصی کمالات کا جامع ہے۔

(ھ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب مبارک بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ نیز افادہ عامہ میں اضافے کی غرض سے نئی کتابت کروا کر جلی عنوانات اور بغلی سُرخیاں قائم کی گئی ہیں۔

(و) قراء کرام کے استفادہ میں سہولت اور ذوق و شوق میں اضافہ کے لئے رسالہ "ذکر مبارک" سے پہلے ایک وقیع مقدمہ "ذکرِ شیخ" کے عنوان سے ہمارے مخدوم حضرت حافظ صغیر احمد صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرما کر شاملِ اشاعت کیا ہے۔ یہ مقدمہ صاحبِ تالیف حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کی مختصر جامع سوانح و احوال و اوصافِ جلیلہ پر مشتمل ہے۔

نیز شروع میں مضامین کی مفصل فہرست بھی مرتب کر کے شاملِ اشاعت کی گئی ہے۔

اللہ کریم سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی کریم سید الاولین والآخرین و شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے التجا ہے کہ وہ اس رسالہ "ذکر مبارک" کو قبولیت سے سرفراز فرماویں۔ اور اس کو بلا تخصیص ہر سطح کے ایمان والوں بالخصوص تحصیلِ علوم دینیہ میں مشغول مبتدی و منتہی طلبار کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت رچ بس جانے کا ذریعہ بنا دیں اور ظاہراً و باطناً ہر حال میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا موجب بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

اللہ رب العالمین اس رسالہ کے مرتب ناشران کے رفقاء و معاونین کے لیے اس سعی جمیل کو جنت الفردوس میں اپنے محبوبین و مقربین کی معیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار و قربِ خاص کا ذریعہ بنا دیں اور اپنی رضا اور خوشنودی سے سرفراز فرماویں۔ آمین

بجاہ النبی الامی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و

اصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین وبارک وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا۔

عبدالحفیظ المکی

(وارد حال راولپنڈی۔ پاکستان)

یکشنبہ (بروز اتوار) ۵، شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
بمطابق ۱۹، اگست ۲۰۰۷ء
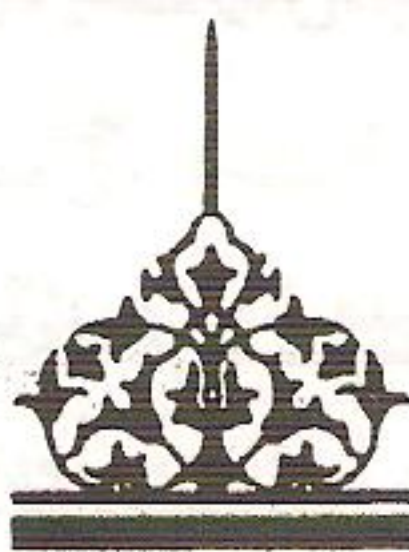
مقدمہ

حضرت اقدس الحاج الحافظ صغیر احمد صاحب دامت برکاتہم وحفظہ اللہ تعالیٰ خلیفہ مجاز امام العارفین قطب الاقطاب شیخ الحدیث الحاج الحافظ حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَاتِہِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا ھَدْیَہٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اَمَّا بَعْد عرض ہے کہ ”ذکرِ مبارک“ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مشتمل یہ صفحات جو آپ کی خدمت میں پیش ہیں، اس لحاظ سے بے حد قابل قدر اور وجہ نزول رحمت ہیں کہ ان میں اللہ کریم جل شانہٗ عم نوالہٗ کے حبیب و محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات رفیعہ و حیاتِ جاوداں کے اہم واقعات تحریر ہیں جن کو اللہ کریم کے منتخبین میں سے ایک اور بے حد مقرب بندے، اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے محبوبین، مقربین کے محبوب ان کے علوم ظاہرہ و معارف باطنیہ کے امین ہمارے مادی وملجا برکتہ العصر امام تصوف قطب الاقطاب شیخ الحدیث الحاج الحافظ حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ نے اپنی مقبول زندگی کے اس حصہ میں مرتب فرمایا جب کہ مدرسی کی ابتدا تھی۔ اس تصنیف لطیف کے بعد حضرت رحمہ اللہ کی اور بہت سی عند اللہ مقبول قیمتی تصانیف ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

بخاری شریف کی شرح لامع الدراری، ترمذی شریف کی شرح الکوکب الدری، اوجز المسالک شرح المؤطا للامام مالک رحمہ اللہ الابواب والتراجم للبخاری جزء حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بعد اللہ کے ہاں بے حد مقبول اور سالکین کے لیئے نعمت غیر مترقبہ انقلاب آفرین ”آپ بیتی“ اس وقت میں تالیف فرمائی، جب آنکھوں کے علاج کی وجہ سے علمی و تحقیقی کام معالجین کی طرف سے منع تھا اور یہ آپ بیتی وہ ہے جس سے بڑے بڑے علمائے کرام، سالکین مقالہ نگار اور دانشور حضرات خوب خوب استفادہ فرماتے چلے آرہے ہیں اور اس کا علمی ادبی و تاریخی اندازِ تحریر کئی اعتبار سے منفرد ہونے کا بھی برملا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی تصنیف سعید ہے کہ کبھی

رُلاتی ہے تو کبھی ہنساتی ہے"۔ سالکین یعنی اپنی اصلاح باطن کی نیت و نسبت کے تعلق رکھنے والے احباب کے لیئے اس آپ بیتی میں ترقیات کے خزائن ہیں۔

یہ ناکارہ علوم نبویہ کی تحصیل میں مشغول طلبا رکرام سے بالخصوص اور جملہ سالکین سے بالعموم درخواست کرتا ہے کہ "آپ بیتی" کا مطالعہ باادب/باوضوایک بار نہیں بار بار کریں اور پھر دیکھیں اللہ کریم کیسے نوازتے ہیں اور زندگی میں انقلاب کیسے آتا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی طویل فہرست ہے۔ جو "فہرست تالیفات شیخ" کے نام سے تین جلدوں میں نواسہ وخلیفہ مجاز حضرت شیخ رحمہ اللہ حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ العالی سہارنپوری نے مرتب فرمائی۔

ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا

ذکر شیخ کی وجہ اور "ذکر مبارک" کے ساتھ مناسبت

أَعِدْ ذِكْرَ شَيْخٍ لَنَا اَنَّ ذِكْرَهُ[1] هُوَ الْمِسْكُ اِذَا مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

ذکر شیخ ہمارے سامنے بار بار کرو کیونکہ انکا ذکر بھی مُشک ہی ہے جتنا اسکا ذکر کرو گے اسکی خوشبو پھیلے گی۔

ذکر مبارک آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے پہلے "ذکر شیخ" اس مناسبت وحکمت کے تحت عرض کیا جارہا ہے کہ اللہ کریم نے اپنے فضل وکرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور علوم نبویہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کے توسط سے بالسند المتصل ہم نکموں کو عطا فرمائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس رسالہ مبارکہ کی اشاعت وترتیب کی غایت اصلیہ اللہ جل شانہ عم نوالہ کی محبت کا حصول ہے جو کہ اصل ہے اور ضابطہ مالک رب کریم یہ ہے کہ "اللہ کی محبت اور ایمان کی تکمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بااتباع کے توسط سے حاصل ہوتی ہے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کو اللہ کریم جل شانہ عم نوالہ نے حُبِ احمد مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم حصہ عطا فرمایا اس محبت خاصہ کا کچھ اندازہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کی مقبول ترین تالیف لطیف فضائل درود شریف کے باادب باوضو مطالعہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ عشق محبت کی ایک جھلک کے طور پر بھائی ماجد علی صاحب (میرٹھ ہند) کے

---

[1] شعر مذکور حضرت امام المذہب محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے حضرت امام الائمۃ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کی مدح میں فرمایا ہے اور اس میں "اعد ذکر نعمان لنا" ہے بندہ نے مقام مدح، محبت کی مناسبت سے ذکر نعمان کو ذکر شیخ کے لفظ سے بدلا ہے۔

مکتوب بنام حضرت شیخ رحمہ اللہ سے اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

رمضان المبارک میں اعتکاف کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں بشارت دی تھی وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" زکریا یعنی حضرت والا رسالہ"فضائل درود شریف کی وجہ سے اپنے معاصرین پر سبقت لے گیا"۔

اس ناکارہ کو تعجب بھی ہوا کہ حضرت والا کی احادیث کی اور دین کی محنت کی اور بھی خدمات ہیں جو بہت اونچی ہیں لیکن بعد کو اشکال رفع ہوا کہ دل میں یہ بات آئی کہ رسالہ" فضائل درود شریف" حضرت والا کے عشق نبوی کی دلیل ہے۔

اس مکتوب کے جواب میں حضرت نے جواب مرحمت فرمایا وہ یہ تھا۔

" اللہ تعالیٰ خواب کو میرے اور تمہارے لیئے مبارک کرے، پسند آنے کے لیئے اونچی چیز ہونا ضروری نہیں۔ کسی رنڈی کا کُتے کو پانی پلانا بھی پسند آجاتا ہے۔" رَزَقَنَا اللّٰہُ مُحَبَّۃَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مضجعہٗ کی مقبول زندگی کے ہر ہر شعبہ کا عمل بلکہ ہر ہر پہلو اللہ جل شانہٗ کے پیارے رسول سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اتباع اور فرمانبرداری سے تعبیر تھا۔ اتباع رسول واتباع سنت ظاہراً باطناً علانیہ سراً آپ کا سرمایۂ حیات وافتخار ہے اسی کا ثمرہ ہے کہ اللہ کریم سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہٗ اور ان کے اعمال وافعال واقوال، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کو نگاہ بے مثل کے صدقے شرف قبولیت تامہ و عامہ سے سرفراز فرمایا۔ آنے والے آئندہ صفحات میں ذرا دیکھیئے کہ اللہ کریم جل شانہٗ عم نوالہٗ نے اپنے مقبول ومحبوب اور مرمٹے بندے کو کن کن اوصاف جمیلہ، اخلاق عظیمہ اور کمالات رفیعہ سے نوازا اور اپنے الطاف کریمانہ وانعامات لامتناہیہ کی آغوش میں ہمیشہ رکھا۔

یہ سطوران تمام کا احصار تو کرنے سے عاجز ہیں لیکن

" مشتے از خروارے نمونہ دارد"

ترجمہ:۔ ڈھیر میں سے ایک مُٹھی ہی نمونہ ہوا کرتی ہے۔

کے مطابق ان شاء اللہ العزیز پڑھنے والے کیلئے ازدیاد ذوق وشوق کا یقیناً ذریعہ ہوں گے۔

ذکرِ شیخ نور اللہ مرقدہ

ولادت باسعادت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت آپکی والدہ کی سوتیلی نانی (جو اماں مریم کے نام سے معروف تھیں) کے مکان قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں بتاریخ گیارہ" رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ شب پنجشنبہ گیارہ بجے رات میں ہوئی۔ اماں مریم رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی فیاضی سے بہت سی مٹھائی منگوا کر تقسیم کی۔

عقیقہ، تسمیہ ولادت کے وقت حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ شریف امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھے ساتویں دن گنگوہ سے کاندھلہ تشریف لائے اور حجام سے بال کٹوا کر دیدیئے اور فرمایا کہ بکرے تم ذبح کرا لینا۔ دو نام رکھے گئے (۱) محمد موسیٰ (۲) محمد زکریا۔ اور اسی دوسرے نام کو عند اللہ مقبولیت ملی۔

قطبِ وقت امامِ ربانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کے دربار میں رسائی

ڈھائی سال کی عمر تک کاندھلہ میں قیام رہا۔ اللہ کریم کے یہاں حضرت کے لئے مستقبل میں امام ربانی نور اللہ مرقدہ کے کمالاتِ باطنیہ کا حامل، امین اور علوم و معارف کا شارح و ناشر بننا مقدر تھا۔ اس بنا پر اپنے والدین مکرمین محترمین کی معیت میں تقریباً ۱۳۱۸ھ میں کاندھلہ سے گنگوہ دربارِ رشیدی میں حاضری کی سعادت مل گئی۔

بچپن، نشو ونما گنگوہ میں قیام اور حضرت امام ربانی[1] رحمۃ اللہ علیہ کی شفقتیں و توجہات، عنایات کو حضرۃ نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ "حضرت قطب عالم قدس سرہ کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا۔ گولر کے درخت کے نیچے حضرت امام ربانی

---

[1] امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے کمالات و اوصاف و جامع احوالِ طیبہ کیلئے حضرۃ کی سوانح حیات "تذکرۃ الرشید" کا مطالعہ ضرور کیا جائے۔ انشاء اللہ ہر اعتبار سے موجب خیر، رشد و ہدایت ہوگا۔ ۱۲

چار زانو بیٹھے ہوتے تھے۔ میں حضرت کے قدموں پر اور گھٹنوں پر ایک ایک پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جاتا اور آپ کے ساتھ خوب لپٹتا، چمٹتا۔ حضرت قدس سرہٗ کی معیت میں حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کی کئی دفعہ نوبت آئی۔ اور حضرت کے سامنے سے جو کچھ بچتا اس کا وارث میں ہی تھا۔ جب میں کچھ بڑا ہو گیا تو راستہ میں کھڑا ہو جاتا جب حضرت سامنے سے تشریف لاتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے "السلام علیکم" کہتا حضرت بھی ازراہِ محبت وشفقت اسی لہجہ میں جواب مرحمت فرماتے کہ حضرت قدس سرہٗ کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔

جب امام ربانی قدس سرہٗ عیدگاہ پالکی میں تشریف لے جاتے سرہانے کی طرف حضرت امام ربانی تشریف فرما ہوتے اور دوسری طرف (پائنتی کی طرف) یہ سیہ کار ہوتا جس کو اٹھانے والے بڑے بڑے مشائخ درس، اکابر، صوفیاء، اپنے وقت کے محدثین ہوتے۔ عمر ۸ سال تھی کہ ۸ رجمادی الاخری ۱۳۲۳ھ کو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حفظ، ابتدائی تعلیم

بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانا اس خاندان کا خصوصی شعار تھا اور بحمد اللہ اب تک ہے اللہ کریم اس کو تاقیام قیامت جاری وساری رکھیں۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے خادم محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تعلیم کا آغاز قاعدہ بغدادی سے ہوا۔ حفظِ قرآن مجید اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ سے کیا۔ تعلیمی امور میں حضرت کی شان نرالی تھی۔ حفظ قرآن کے رائج طریقہ سے ہٹ کر حفظ کرایا گیا۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ابا جان رحمہ اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ روزانہ کا سبق ۱۰۰ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد چھٹی۔

حفظِ قرآن مجید کے بعد اردو، فارسی عم محترم داعی الی اللہ بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے انکے زمانہ قیام گنگوہ میں پڑھی، صرف ونحو کی ابتدائی کتب والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہٗ سے پڑھی۔ پھر اعلیٰ تعلیم سہارنپور آکر مکمل کی۔

ابتداء حدیثِ پاک و دورۂ حدیث شریف

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو فیاض ازل نے علمِ حدیث کی خاص خدمت کیلئے پیدا کیا تھا اس مبارک علم کا بھی بے حد اہتمام سے آغاز ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ

"۷ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ کو بعد نماز ظہر میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی۔ والد صاحب نے نماز کے بعد غسل کیا

درسگاہ میں دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہوکے مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ پڑھوا کر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر پندرہ ۱۵، بیس منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں نامعلوم کیا کیا دعائیں مانگیں، میں تو ان کی معیت میں ایک ہی دعا کرتا رہا کہ "یا اللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا، اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھئے۔" اس وقت عمر ۱۷ سال تھی۔

اللہ کریم نے اس دعا کو ایسا قبول فرمایا کہ یہ مبارک سلسلہ ایام وصال تک جاری رہا۔ رزقنا اللہ اتباعہ

۱۳۳۳ھ میں دورہ حدیث شریف کی تمام کتب والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ سے پڑھیں۔ سوا ابن ماجہ کے کہ وہ حضرت مولانا ثابت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ہو گیا۔ ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۷ھ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو اپنے آقاء ماویٰ ملجاء مربی رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا خلیل احمد ایوبی انصاری[۱] سہارنپوری، مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز سے بخاری شریف، ترمذی شریف دوبارہ نیز ابوداؤد، مسلم، نسائی پڑھنے کا موقع اللہ کریم نے عطاء فرمایا۔

مسندِ درس و تدریس پر نسبتِ رشیدیہ کا ظہور

یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی تدریس کا آغاز مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا۔ اور یہ مبارک سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک چلتا رہا اور ۱۳۸۸ھ میں نزول آب کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا لیکن حدیث پاک کی تصنیف و تالیف کا مقبول سلسلہ ایام وصال تک مسلسل قائم رہا اس ترپین ۵۳ سالہ تدریسی دور میں ۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۱ھ مختلف کتب زیر درس رہیں اور ۱۳۴۱ھ تا ۱۳۸۸ھ ۴۷ سال حدیث پاک کی کتب کا درس جاری رہا۔ اس زمانہ میں ہزاروں طلبہ نے علوم نبویہ کی تعلیم میں کسب فیض کیا اور درس حدیث پاک کے سلسلہ کا انقطاع بھی اللہ کریم کی طرف سے علوم رشیدیہ کے شارح، ناشر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر ایک انعام کے ساتھ ہوا کہ جو عذر (آب نزول کا) ۱۳۱۴ھ میں امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کو پیش آیا تھا وہی عذر ۱۳۸۸ھ میں انکے علوم و معارف کے وارث کو پیش آیا تو گویا کہ اللہ کریم نے نسبت گنگوہی جو عطا فرمائی تھی اس عمل میں بھی اس کا اظہار فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

---

[۱] حضرت اقدس سہارنپوری ایوبی انصاری قدس سرہ میزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرتؒ کی حیات طیبہ کے حالات پر مطلع ہونے کیلئے تذکرۃ الخلیل، حیات خلیل، خوان خلیل کا مطالعہ ہر اعتبار سے بیحد مفید و نافع رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ ۱۲

تصنیف و تالیف

اللہ کریم نے ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کو تصنیف و تالیف کا جو ذوق مرحمت فرمایا تھا وہ نہایت ہی اعلیٰ، یکتا اور ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ دیگر شعبوں کی طرح اس سلسلہ کو اللہ کریم نے جو قبولیت و مقبولیت عامہ، تامہ نصیب فرمائی وہ بھی بے مثل اور بے مثال ہے۔

تالیفی کام کی ابتداء تو زمانۂ طالب علمی ہی سے ہو چکی تھی۔ سب سے پہلی تالیف ''الفیہ ابن مالک'' (علم نحو کی معروف کتاب) کی شرح ہے۔ عمر شریف ۱۳، ۱۴ سال کے درمیان تھی اور طالب علمی کا دوسرا سال تھا۔ تصنیف و تالیف کے شعبہ کا ایک وصف ممتاز یہ بھی ہے کہ سب سے زیادہ کام حدیث پاک (کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریح، اشاعت، خدمت میں لیا گیا۔

اللہ جل شانہٗ نے آپ سے جو کام لیا ہے وہ خاص مقبولان الٰہی اور خاصان رسول کا ہی حصہ ہے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تصنیفی کام کو دیکھ کر ایک ناواقف شخص کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ تدریسی و مصروفیت معاشرتی ذمہ داریوں، دینی شعبوں بالخصوص جماعت تبلیغ کی سرپرستی و دیگر مشاغل کیساتھ یہ فردِ واحد کا کام ہے لیکن جب اللہ کریم عطا فرماتے ہیں تو اپنی شان ارفع کے مطابق بندوں کی عقل و فہم نارسا سے بڑھ کر نوازتے اور عطاء فرماتے ہیں کہ عقل والوں کی عقلیں اس کی عطایا کے ادراک سے قاصر ہو جاتی ہے۔

تصنیف و تالیف کے شعبہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا عمل و انداز تحریر نہایت سلیس اور عام فہم کہ ہر سطح کا آدمی خوب سمجھ سکتا ہے۔ حضرت کی جملہ تصانیف مطبوعہ، غیر مطبوعہ کی تعداد تقریباً ۱۰۵ ہے۔

غیر مطبوعہ مسودات پر حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری زید مجدہ و حفظہ اللہ تعالیٰ کام کر کے زیور طبع سے آراستہ فرمانے کی سعی جمیل فرما رہے ہیں۔ اللہ کریم حضرت موصوف کے فہم، فراست اوقات میں برکت عطاء فرمائیں اور بہترین معاونین عطاء فرما کر جلد از جلد اپنے بندوں کا ان علمی جواہرات سے متمتع ہونا مقدر فرمائیں۔

سلسلہ خلیلیہ میں بیعت سلوک

گنگوہ سے سہارنپور آجانے کے بعد حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم ہو گیا تھا لیکن یہ ضمناً اور طبعاً تھا، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آمد و رفت ہو جاتی تھی لیکن حضرت سہارنپوری قدس سرہ العزیز کی طرف سے شفقت و محبت کا انداز بہت ہی نرالا ہے۔

رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت اقدس الحاج الحافظ مولانا خلیل احمد انصاری سہارنپوری مہاجر

مدنی نور اللہ مرقدہ سے باضابطہ بیعت سلوک شوال ۱۳۳۳ھ میں کی جس کو حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے مختصر نقل کیا۔ فرماتے ہیں "شوال ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز کیلئے طویل قیام کے ارادہ سے تشریف لے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ نے حضرت سے بیعت کیلئے عرض کردیا، حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہوجاؤں تو آجانا، حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی (حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد رشید، تیسیر المبتدی وتیسیر المنطق کے مؤلف) جو خلافت واجازت سے مشرف ہوچکے تھے انھوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کررکھی تھی۔ دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر خدمت ہوئے اور بیعت ہوگئے۔ والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب وحضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہما اوپر بیٹھے ہوئے تھے یہ منظر دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے، حضرت رائے پوری قدس سرہ نے اس کو بہت ہی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور خوب دعائیں دیں۔ یہ واقعہ ابتدا کا ہے۔

فنائیت

اس کے بعد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے کس طرح کامل طور سے اپنے آپ کو ظاہراً باطناً سپرد کیا اور اللہ کی عطا کردہ اپنی ذہنی، علمی، عملی صلاحیتوں کو پیش کیا اس کا ثبوت بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے مقدمہ میں مذکور وہ کلمات ہیں جو حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے اپنے تلمیذ رشید، مرید باصفاء کے بارے میں فرمائے۔ "أَعَانَنِي عَلَيْهِ بَعْضُ أَصْحَابِي خُصُوصًا مِنْهُمْ عَزِيزِي وَقُرَّةُ عَيْنِيْ وَقَلْبِي اَلْحَاجُ الْحَافِظُ الْمَوْلَوِي مُحَمَّد زَكَرِيَّا بِنْ مَوْلَانَا مُحَمَّد يَحْيىٰ سَهَارَنْپُورِي كَانْدَهْلَوِي رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه۔"

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بھی اپنے قول وفعل سے اس شعر کو سچا کر دکھایا۔

من تو شدم تو من شدی — من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں — من دیگرم تو دیگری!
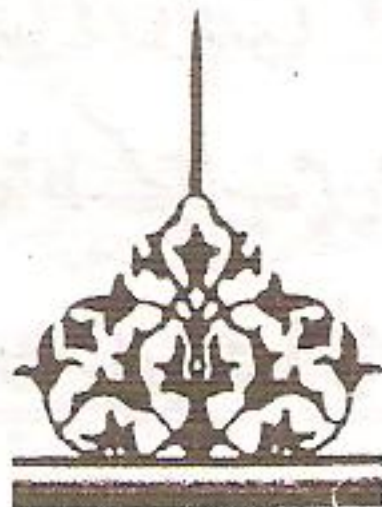
عطاءِ نسبت و خلافت و اجازت

یہ نعمتِ عظمیٰ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو مدینہ منورہ کے قیام میں عطا کی گئی۔ اس نعمتِ عظمیٰ کے عطا ہونے کی تفصیل "حیاتِ شیخ" جلد اول ص۱۹۸ سے بعینہٖ نقل کی جاتی ہے وہاں اس اجازت نامہ کا عکس مبارک بھی طبع کیا گیا ہے جسکو شوق ہو دیکھ سکتا ہے۔

۷، ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ بطابق ۱۰ ارمئی ۱۹۲۷ء میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو اپنے پیرومرشد کی بارگاہ سے چاروں سلسلہ میں بہت ہی اہتمام کے ساتھ بیعت کی اجازت ملی اور اس کے لئے باضابطہ طور پر آپکو خلافت نامہ عطا کیا گیا جس کو حضرت قدس سرہٗ نے حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تحریر کرا کے اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ اس موقعہ پر پیرومرشد نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی کو دیا کہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں۔ چنانچہ جب یہ باندھا گیا تو حضرت شیخ کی شدتِ گریہ سے چیخیں نکل گئیں۔ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ان مبارک وسعود، مقبول ساعات میں وہاں موجود تھے۔ اس سارے منظر کو بچشم خود ملاحظہ فرماتے رہے۔ آپ نے حضرت شیخ کے بااصرار منع کرنے کے باوجود ہندوستان واپس آکر اس اجازت و خلافت کی تشہیر فرمائی۔

لقبِ شیخ الحدیث

یہ لقب مبارک بھی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو اپنے شیخ، مربی حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب ایوبی سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عطا ہوا۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں اختتام "بذل" کے بعد واپسی ہونے لگی تو حضرت قدس سرہٗ نے مظاہر علوم کے انتظامی امور کے بارے میں ایک تحریر لکھوائی اس میں دو نمبر اس سیہ کار (حضرت شیخ) کے متعلق بھی لکھوائے۔ ایک یہ کہ زکریا کو جتنی حدیث سے مناسبت ہے میں اُسے خوب جانتا ہوں۔ اس لیے اسکو مدرسہ کا "شیخ الحدیث" تجویز کرتا ہوں۔ اس عہدہ کی ابتدا اس بندہ سے ہوئی۔ ورنہ اس سے پہلے مدارس میں مدرس اول اور شیخ الحدیث ایک ہی عہدہ تھا۔ ایک موقعہ پر حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خط کے جواب میں فرمایا۔ "اگر اہل مدارس کو من حیث المدرسہ کچھ تردد ہے تو میں اپنی طرف سے یہ خطاب اسکو دیتا ہوں۔ دوسری بات اس مقام کے مناسب نہیں "آپ بیتی" میں مذکور ہے۔

بارگاہِ خلیلی کا ایک اور عطیہ اجازت مسلسلات

حیاتِ شیخ میں مذکور ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "المسلسلات" جو تین رسائل کا مجموعہ ہے۔ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے ۱۳۴۵ھ میں اس پر نظرِ ثانی فرما کر یک جا ان کی اشاعت کرائی۔ اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو اسی سال شوال میں اجازت مرحمت فرمائی۔

بیعت سلوک لینے کی ابتداء

آپ بیتی ص۴۸۴ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ "حضرت مرشدی قدس سرہٗ نے اس ناکارہ کو اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رائے پوری وہاں موجود تھے۔ میں نے حضرت کے پاؤں پکڑے تھے کہ اللہ کے واسطے اظہار نہ فرمائیں یہ کوئی تصنع نہ تھا اللہ کی قسم مجھے اب تک شرح صدر نہیں ہے کیونکہ میری حالت واقعی اس قابل نہیں۔ صرف حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی جواب دہی کے ڈر سے بیعت اب تک کر رہا ہوں۔ میں نے ابتداء میں بہت انکار کیا مگر ایک مرتبہ کاندھلہ جانے پر وہاں کی مستورات چچا جان کے سر ہو گئیں کہ آپ اس سے حکماً بیعت کرا دیں۔ میں مسجد میں تھا اور چچا جان گھر میں تشریف فرما تھے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور وہ چچا جان ہونے کا حق ادا کرنے کے واسطے ڈانٹ بھی دیا کرتے تھے۔ جب میں گھر پہنچا تو چچا جان نے غصّے کا منہ بنا رکھا تھا کہ غصہ سے چہرہ سرخ لال ہو رہا تھا مستورات کو ایک کوٹھے پر جمع کر رکھا تھا اور برابر کی چارپائی چھوڑ رکھی تھی خود دوسری چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اپنے سر مبارک سے عمامہ اتارا، اُس کا ایک کونہ میرے ہاتھ میں پکڑایا اور فرمایا کہ ان کو بیعت کر۔ دوسرا کونہ دروازے میں سے ان عورتوں کو پکڑا دیا۔ میں نے کچھ اُوں آں کرنی چاہی تو ایک ڈانٹ پلا دی کہ بیعت کر۔ یہ اس سیہ کار کی بیعت کرنے کی ابتداء ہے۔ آپ بیتی کے حاشیہ پر حضرت مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ خلیفہ مجاز و تلمیذ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ و شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور فرماتے ہیں کہ "یہ بیعت علیٰ منہاج النبوۃ ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بھی سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیعت اسلام فرمائی۔ امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بھی گنگوہ میں سب سے پہلے ایک عورت سید الطائفہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم سے بیعت ہوئی تھیں۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت بھی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی نسبت کا عکس ہے کہ جملہ امورِ تصوف مع مشاغل علمیہ خدمت حدیث شریف تعلیماً، تصنیفاً ابتداءً انتہاءً ظاہر و باہر ہے۔

نکاح، اولاد

مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے دو نکاح ہوئے پہلا نکاح کاندھلہ میں حضرت مولانا رؤف الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے جو حضرت

سہارنپوری قدس سرہ نے پڑھایا تھا۔ اور ان کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح الداعی الی اللہ، بانی جماعت دعوت، تبلیغ عم محترم جناب حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ کی صاحبزادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے ہوا۔ یہ نکاح نظام الدین میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمی تبلیغی مرکز مسجد بنگلہ والی بستی نظام الدین اولیاء میں پڑھایا تھا۔

پہلی اہلیہ محترمہ سے اللہ جل شانہٗ عم نوالہ نے سات صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے عطاء فرمائے۔ تمام صاحبزادے صغر سنی ہی میں ذخیرہ آخرت بن گئے۔

دوسری اہلیہ محترمہ سے دو صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے متولد ہوئے۔

ایک صاحبزادے عبدالحی کا تولد دھلی میں ہوا اور وہیں ایک ماہ بعد انتقال ہوگیا۔ بقول حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ "مجھے اس معصوم کے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی"۔ دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی ہیں جو حضرت پیر صاحب سے ملقب ہیں۔ حضرت کی ولادت ۲ رجمادی الاولی ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۹۴۱ء جمعرات کو اپنے ننھیال بستی نظام الدین دھلی میں ہوئی۔ ۱۵ رجمادی الاولی ۱۳۶۰ھ چہار شنبہ کو عقیقہ ہوا اور یہ نام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے تجویز کیا۔ اللہ جل شانہٗ تادیر بصحت و عافیت سلامت رکھیں۔ فیوض و برکات کو عام تام فرمائیں۔ مزید تفصیل آپ بیتی و حیاتِ شیخ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔
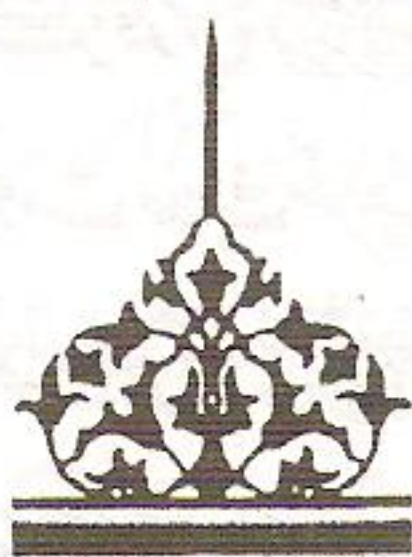
اَلصَّابِرِیْنَ فِی الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

حضرت کا صبر، ثبات قدمی

یہ ایک ایسا عنوان ہے کہ اس پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے۔ اس جگہ تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اپنے مقبول و محبوب بندے کو اپنے حبیب و محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت طیبہ کے اتباع کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ اکابرین امت واصاغر میں سے کون ہے جس کو حضرت سے محبت نہ تھی اور حضرت اس کے محبوب نہ تھے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ سے لے کر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ تک اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ امیر ثانی جماعت تبلیغ، داماد حضرت شیخ سے لے کر اپنی نومولود اولاد تک سب ہی کی جدائی اور وفات کے حوادث پر صدمات سہے۔ پھر اپنے والدین مکرمین، اہلیہ محترمہ کو بھی اپنے ہاتھوں سے دفنایا، تقسیم ہند کے موقعہ پر دلدوز، دل سوز واقعات اور مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

صبر و استقلال کا صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ صبر کسے کہتے ہیں۔ اور "اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی" پر اتباع کا عملی اظہار کیسے فرمایا۔ ذرا دل تھام کر سنیئے اور پڑھیئے۔ اللہ کریم سے اتباع کی توفیق مانگتے رہیئے۔ مانگنے والوں کو اللہ کریم محروم نہیں فرماتے۔

حیات شیخ جلد اوّل صـ۱۸۳ سے بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت کے یہاں گذشتہ تولد ہونے والے صاحبزادے محمد موسےٰ سات آٹھ سال کی حیات پا کر مورخہ ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء چہار شنبہ (بدھ) میں ذخیرۂ آخرت بنے۔ اس فرزند کی ولادت سہارنپور میں ہوئی۔ اور انتقال دھلی نظام الدین میں ہوا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کے مکتوب سے آپکو اس رنج دہ واقعہ کی اطلاع ایسے وقت میں ہوئی جب کہ آپ اپنے شیخ و مربی کے پاس بیٹھے ہوئے بذل المجہود کی تسوید اور املاء میں مشغول تھے لیکن عزم و ہمت اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ کسی رنج و غم کا اظہار کئے بغیر یہ مکتوب حضرت سہارنپوری کے ملاحظہ سے گزار کر قلم و دوات لے کر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت نے خط ملاحظہ فرمانے کے بعد نہایت

غمزدہ آواز میں اپنی تالیف بذل المجہود کا ایک جملہ لکھوانا شروع کیا جو شدت تأثر و صدمہ کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا۔ اور یہ فرما کر اٹھ کے تشریف لے گئے کہ ایسی حالت میں تو مجھ سے نہیں لکھوایا جاتا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن معصوم اولاد وہ بھی بیٹے کس کو پیارے نہیں ہوتے۔ اور کس کو چاہت نہیں ہوتی۔ ہر ہر عمل میں اللہ کریم حضرت کے اسوہ مبارکہ کو اختیار کرنے کی ہمیں توفیق نصیب فرمائیں۔

عنداللہ مقبولیت محبوبیت

اللہ پاک جب اپنے کسی مومن بندے اور اس کے عمل کو اپنے یہاں مقبولیت عطا فرما دیتے ہیں تو اس میں اپنے ارشاد گرامی "مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ" (پ۱۴ سورہ نحل)

ترجمہ: "جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے"۔ کے مطابق عمل میں برکت فرما دیتے ہیں کیوں کہ اللہ کریم قبولیت کے ثمرات کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس عمل کو جاری رکھ کر اپنے بندے کیلئے صدقہ جاریہ ہونا اور آخرت میں اس کے لئے اجرِ عظیم و درجات رفیعہ کا ملنا مقدر فرما دیتے ہیں۔ اس عمل اور بندے کو محبوبیت عطا فرما کر اپنی مخلوق کی ہدایت اور دارین کی صلاح و فلاح کے لئے اس کا نفع عام فرما دیتے ہیں اور حسب ارشاد گرامی "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (پ۱۶ سورہ مریم)

ترجمہ: "بیشک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں تو رحمٰن (اللہ جل شانہ) ان کے لئے بنا دیں گے (قلوب میں) محبت"۔

بالعموم اپنے بندوں اور بالخصوص اپنے محبوبین، مقربین کے مصفیٰ، مزکیٰ، نور ایمانی سے منور قلوب میں محبت، محبوبیت عامہ، تامہ بھی رکھ دیتے ہیں تو گویا کہ مقبولیت کے لیے محبوبیت اور محبوبیت کے لئے مقبولیت لازم ملزوم ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ واعلی اللہ مراتبہ بھی اللہ کریم کے انھی اخص الخصوص مقبول بندوں میں سے ہیں جن کو ان دونوں وصفوں سے خوب ہی خوب نوازا گیا ہے۔

اور یہ بھی عادۃ اللہ ہے کہ جتنی جتنی مقبولیت، محبوبیت میں ترقی ہوتی جاتی ہے اس سے کئی چند

اوصاف و کمالات میں بھی اللہ رب العالمین زیادتی فرماتے رہتے ہیں۔ عند اللہ مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل اللہ کے محبوبین و مقربین کی گواہیاں اور بشارتیں ہیں، پھر حدیث پاک کی خدمت اور دین کے اہم ترین شعبہ سلوک و احسان (تزکیہ نفس) کے احیاء کا کام لیا گیا جس کیلئے حضرتؒ نے اپنی عمر شریف کے آخری حصہ میں امراض بدنیہ، ضعف، جسمانی اضمحلال کی حالت میں افریقہ، لندن کے اسفار فرمائے اور جگہ جگہ مدارس اور خانقاہیں قائم فرمائیں۔ جو بحمد اللہ خوب آباد ہیں۔ اور ان سے مزید اشاعت دین کا سلسلہ جاری ہے اور اللہ کریم تا قیامت آباد، اپنی حفاظت کاملہ میں رکھیں۔ آمین بحرمۃ النبی الامی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہٗ کے کمالات رفیعہ، اوصاف جلیلہ کا احصار نہ تو مقصود ہے اور نہ ہی بندہ سیہ کار بے بضاعت کے بس کی بات ہے۔

اس مقام کے پیش نظر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جس طرح ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر "ذکر مبارک" مرتب فرمایا ہے ان کے ہی اتباع میں چند واقعات ذکر کر دیئے جائیں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی عند اللہ مقبولیت و محبوبیت پر سب سے پہلی حجت تو زمانہ قیام گنگوہ کے واقعات ہیں جو ابتداء میں گذر چکے ہیں۔ پھر اپنے شیخ و مربی کے دربار میں محبوبیت و شہادتیں ہیں۔

(۱) ایک موقعہ پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "آپ کے بغیر میں جنت میں نہ جاؤں گا"۔

(۲) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "میں تو آپ ہی کی مجلس میں ظہر سے عصر تک رہتا ہوں جن کی تفصیل "آپ بیتی" میں مذکور ہے۔

(۳) قطب الارشاد حضرت اقدس الحاج شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد بار حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے تم لوگوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ بسا اوقات فرماتے کہ "ان چچا بھتیجوں (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہما) کی تو بات ہی الگ ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی نسبت تو حضرت شیخ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

بالکل ہی سچ فرمایا ماقبل میں اس فرمان کی صداقت کی متعدد دلیلیں گذر چکی ہیں۔

کوئی دیدہ ور ہو تو دیکھ لے
بڑے معرکہ کا یہ مرد ہے

اتباعِ سُنّت اور عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

اس موضوع کو بھی بیان کرنے کے لیے دفتر کے دفتر چاہئیں۔ یہ سارے کمالات، عطایا، اسی وصف کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں جن سے اللہ کریم نے حضرتؒ کو اور ان کے بعد انکے محبّین، متوسلین کو نوازا ہے اور قیامت تک نوازتے ہی رہیں گے بلکہ حسبِ وعدہ الٰہیہ اتباعِ سُنّت کا اہتمام کرنے والے مرنے کے بعد بھی نوازے جاتے رہتے ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام کی عظمت، ادب احترام کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی حدیث بغیر وضوء کے نہیں پڑھی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ دورانِ سبق میرا اور رفیق درس حسن احمد مرحوم کا یہ معمول تھا کہ ہم میں سے جس کو وضوء کی ضرورت دورانِ درس پیش آتی وہ فوراً کہنی مار کر آستین چڑھاتا ہوا بھاگ کر جاتا اور وضوء کر کے آتا۔ اتنے میں ایک ساتھی فوراً ابا جان کی خدمت میں کوئی اشکال پیش کر دیتا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اس عمل سے سمجھ گئے اور دُعائیں دیں۔ کبھی کوئی واقعہ اپنے اکابر رحمہم اللہ کا سُنا دیتے۔

(۲) جب تدریس کا زمانہ آیا تو سبق کا ناغہ نہ فرماتے حتیٰ کہ ٹمریچر ۱۰۴ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ اور کسی کو اندازہ بھی نہ ہونے دیا۔

(۳) حضرت مولانا تقی الدین صاحب زید مجدہ، خلیفہ حضرت شیخؒ و تلمیذ رشید نے اپنا واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ سخت بارش ہو رہی تھی اور مدرسہ کے باہر پانی کھڑا ہوا تھا یہ ناکارہ مدرسہ قدیم میں کتاب لئے کھڑا منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہو تو سبق میں حاضری دوں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ دفتر میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت شیخ الحدیث آج درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے باہر جا کر معلوم کرلو۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکے بیٹھے پھل فروشوں سے معلوم کیا۔ بارش کا زور برابر قائم تھا معلوم ہوا کہ حضرتؒ کو دیر ہوئی تشریف لے گئے جبکہ مکان اور دار الحدیث میں فاصلہ بھی ہے یہ ناکارہ بھی دار الحدیث پہنچا بجلی غائب، اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ پیچھے سے بیٹھ گیا۔ مگر حضرت نے دیکھ کر فرمایا! جانتے ہو کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے ایک ہاتھ میں

بخاری شریف کا پارہ دُوسرے میں چھتری لیکر نکلا آدھے راستہ پر ایک رکشہ والے نے بٹھالیا۔ پاؤں میں جُوتا نہیں تھا دارالحدیث پہنچنے کے بعد میرے پاؤں دُھلائے۔ پائجامہ کے نچلے حصّہ کو دھویا۔ یہ ناکارہ یہ بات سُن کر پانی پانی ہو گیا۔

(۴) آخیر عمر میں دانت ختم ہو جانے کے باوجُود صرف مسوڑھوں پر مسواک کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

(۵) سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سہارنپور حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کے وقت فرمایا کہ "حضرت آپکا گھر دیکھ کر تو نانا جان (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کا گھر یاد آگیا"۔ اس کے علاوہ زندگی کا ہر عمل اور واقعہ ایسا ہے جس کو اس عنوان کے تحت بیان اور تحریر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کے محب و محبوب خادم مزاج شناس خلیفہ اجل حضرت اقدس الحاج صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چہل حدیث "حضرت شیخ قدس سرہٗ کا اتباع سنت اور عشق رسُول کے نام سے انوکھے انداز میں جمع کی ہے جس میں حضرت شیخ قدس سرہٗ کی معاشرت، عبادت، معاملات کو ذکر کیا ہے۔ ہر قاری سے درخواست کرونگا کہ اس کا بھی ضرور مطالعہ کریں۔

علومِ نبویہ کے طلبار کی ترغیب، تشویق کے لئے اسی کتاب سے حضرت کی تواضع کے واقعے نقل کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ اپنے اصحاب کیساتھ مل کر کام کروایا کرتے تھے جیسا کہ ایک سفر کا قصہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بکری ذبح کرنا اپنے ذمہ لیا تو آپ نے فرمایا کہ آگ جلانے کیلئے لکڑیاں اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے صحابہ کے عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ "مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ مجمع میں ممتاز رہوں۔ اور اللہ جل شانہٗ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔"

(۶) اس عمل مبارک کے اتباع میں حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کا معمول (مدرسہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث ہونے کے باوجود) یہ تھا کہ مدرسہ میں استنجار کے ڈھیلوں کیلئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کی لکڑیوں کی گاڑیاں آتی تھیں تو حضرت نے دربان کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے تو اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کر دیں۔ جب بھی گاڑی کی اطلاع آتی میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالبعلم کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس) کے پاس یہ کہہ کر بھیجتا کہ اینٹیں آگئی ہیں نیچے جا رہا ہوں۔ مولانا مرحوم بھی فوراً پہنچ جاتے۔ ہم کو دیکھ کر دونوں درسگاہوں کے طلبار بھی پہنچ جاتے۔

(۷) طلبہ میں جن کا انتقال ہو جاتا اس کو غسل دینے کا بھی اہتمام فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت نے تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا کہ "میں نے تقریباً دو سو مردوں کو غُسل دیا ہوگا اور مجھے اللہ کریم کی ذات سے اس پر بڑے اجر کی امید ہے۔ احسن ما قیل ؎

دیدِ لیلٰی کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا اُن کا

عبادات

نماز اتباعِ سُنّت میں تمام رات کھڑے نوافل میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے لیکن یہ معمول اتباعِ سُنّت میں دائمی نہیں تھا البتہ رات کے آخری پہر میں تہجد اور بعد مغرب اوابین کے نوافل کا دائمی معمول تھا۔ قیامِ حرمین پاک میں چاشت کا خصوصی اہتمام رہتا کہ تدریسی مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔ تلاوتِ قرآن کے وقت گریہ کی حالت رہتی۔ اتباعِ سُنّت میں تلاوت جہراً، سراً حسبِ موقعہ فرماتے تھے۔

صلوٰۃ و تسبیح کا معمول ہمیشہ جُمعۃ المبارک کے دن رہا۔ جمعہ کے دن سُورہ کہف کا بھی اہتمام تھا۔ جمعہ کے دن کثرت دُرود شریف کا خاص اہتمام فرماتے۔ جمعہ کے دن آخری ساعت اجابت کے اہتمام میں بعد عصر گھر تشریف لاکر دعا، مراقبہ میں مصروف رہتے۔ جمعہ کے دن بعد نمازِ عصر اپنی جگہ سے اٹھنے سے قبل ۸۰ مرتبہ دُرود شریف پڑھنے کا معمول دائمی تھا۔

وہ دُرود شریف یہ ہے " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا۔

دل تو چاہتا ہے کہ لکھتا ہی چلا جاؤں لیکن طوالت کے خوف سے اس موضوع پر اسی قدر پر اکتفار کرتا ہوں کہ رسالہ کا مقصد نمونہ پیش کر کے ازدیادِ شوق ہے۔ قاری کو اللہ کریم ذوق دے تو حضرت سے متعلق کتب بھی مطالعہ کریں۔

ماہِ مُبارک کا اہتمام بندہ اپنے اللہ کے جتنا قریب ہوتا جاتا ہے عبادتِ الٰہیہ میں اس کا انہماک اور ترقی اسی کے بقدر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس عمل میں بھی اللہ پاک نے حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کو ایک منفرد ذوق عطا فرمایا تھا۔ اس سلسلہ کے تمام معمولات تو اس جگہ ذکر نا ممکن نہیں ہے صرف چند واقعات کے ذکر پر ہی اکتفار کیا جائے گا۔

سارا سال دیگر مشاغل علمیہ کے ساتھ نوافل، قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ تھے ہی لیکن جب رمضان المبارک آتا تو تمام دیگر مشاغل علمیہ، درس، تدریس موقوف ہو جاتے۔ عبادتِ الٰہیہ میں انہماک تام ہو جاتا حتیٰ کہ واردین، صادرین سے ملاقات کا سلسلہ، ڈاک وغیرہ سب کچھ بند۔ ایک موقعہ پر ایک عزیز حضرت سے ملاقات کیلئے ماہ مبارک میں کاندھلہ سے آگئے تو حضرت نے فرمایا کہ ملاقات بعد رمضان شریف ہوگی۔

وہ عزیز کہنے لگے کہ "اجی بھائی جی؟ رمضان تو سب کے یہاں ہی آوے مگر ایسے بخار کی طرح تو کہیں بھی نہیں"۔
مختلف رمضانوں میں مختلف معمولات رہے ہے۔ ہمت، قوت، صحت کے زمانہ میں ماہ مبارک میں روزانہ ایک قرآن کریم تلاوت کا معمول رہا۔ تفصیل دیکھنی ہو تو کتاب "قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی و دیگر اکابر رحمہم اللہ کا رمضان"۔ مؤلفہ حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی زید مجدہ خلیفہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ میں ملاحظہ کریں۔ اس کے مطالعہ سے ہم کو ماہ مبارک کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوگا۔ اِنْ شَاءَ اللہ۔

ایک سفر مدینہ اور قیام مدینہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ آپ بیتی میں دوسرے، تیسرے حج کی تفصیل کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزوں کا سلسلہ تو سہارنپور ہی سے شروع ہوگیا تھا اور باوجود سفر اور سخت گرمی کے کوئی دقت محسوس تک نہ ہوئی جو صرف اللہ تعالیٰ کا احسان، کرم و فضل تھا۔ احباب نے گرمی کی شدت کی وجہ سے اصرار بھی کیا کہ یہ سلسلہ موقوف کردیا جائے"۔ روزوں کی وجہ سے حرم پاک حاضری و دیگر اعمال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حضرت صوفی صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ موٹی لمبی جو کرتے کے اندر زیب تن فرماتے اس کو پانی میں بھگو کر گیلی لنگی سر پر ڈال کر حرم شریف لے جاتے جو حرم تک پہنچنے پر خشک ہو جاتی۔ دو ماہ کے مسلسل روزے بھی اتباع سنت میں رکھے لیکن تواضعاً فرماتے تھے کہ شھرین متتابعین توبۃ من اللہ کی نیت کر لی ہے

جود و سخا

زکوٰۃ تو حضرت پر کبھی فرض ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مال حضرت شیخ قدس سرہٗ کے پاس رہتا ہی نہیں تھا۔ حضرت کے قبضہ میں مال جانے ہی کیلئے آتا تھا۔ حضرت کی سخاوت کے مقابلہ میں بادلوں کی سخاوت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جن کتب کا پہلے حوالہ دیا گیا وہ اس شعبہ سے متعلق واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ ایک، ایک لاکھ روپیہ ایک وقت میں خرچ کرنا کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا حتیٰ کہ بعض مواقع پر قرض لے کر بھی خرچ فرماتے تھے، ابتداء قیام مدینہ منورہ میں حساب کتاب رکھنے کی خدمت حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے سپرد تھی۔ حضرت صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت فرماتے "صوفی جی! اَنْفِقْ یَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا"۔ خود خرچ فرماتے اور دوسروں کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے۔ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کی زیادتی کو تیز ہوا کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ آپ کی سخاوت تیز ہوا سے زیادہ تھی۔ بعینہٖ اتباع سُنت میں حضرت کا معمول مبارک بھی ایسا ہی تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ بچپن ہیں والدین مکرمین رحمۃ اللہ علیہما نے گھٹی میں یہی بات ڈالی تھی۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ والد صاحب مجھے پیسے دیتے تھے اور والدہ صاحبہ صدقہ،

خیرات کے فضائل سُنایا کرتی تھیں۔ اور والد صاحب جو پیسے دیا کرتے تھے وہ سب والدہ صاحبہ کو دیدیا کرتا تھا۔ پھر کمال یہ ہے کہ اس سخاوت کو بخل سے تعبیر فرماتے تھے۔

حج مبرور کیلئے اسفار

اللہ رب العزت نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے پانچ حج بیت اللہ نصیب فرمائے جن کی تفصیل آپ بیتی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ سب سے پہلا حج ۱۳۳۸ھ میں اپنے آقا و مُرشد، مربی حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی معیت میں نصیب ہوا، جس کو حجۃ الاسلام سے تعبیر فرماتے ہیں۔ وہ وقت انتہائی مشقتوں والے حج کا زمانہ تھا۔ موجودہ دور کی سہولیات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ہجرت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

کون ایسا ایمان والا ہے کہ اس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضری کی تمنا نہ ہو؟ یہ بھی ایک فطری امر ہے کہ ہر انسان پھر ایمان والا خاص طور پر حدیث پاک کے پڑھنے پڑھانے والا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کی تشریح کرنے والا اور پھر اللہ پاک نے اپنے اس بندہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، "نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا ثُمَّ اَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ" کا مصداق بنا دیا ہو۔ حدیث پاک کے مقبول فہم کامل کی گواہی اللہ پاک نے ان کے شیخ کی زبان سے دلوادی ہو۔ اللہ کے مقبول بندے مدینہ پاک کے قیام پر مصر ہوں جیسا کہ حضرت نے خود آپ بیتی میں تحریر فرمایا ہے کہ "بذل المجہود کی تکمیل کے بعد جب واپسی ہونے لگی تو مولانا سید احمد فیض آبادی بانی مدرسہ علوم شرعیہ نے حضرت قدس سرہٗ سے بہت اصرار سے درخواست کی، میرے قیام مدینہ منورہ کے بارے میں تو حضرت نے یہ فرما کر اس وقت رخصت فرما دیا کہ" ابھی مدرسہ مظاہر علوم کو اشد ضرورت ہے۔"

قیام مدینہ منورہ کے بارے میں اپنی اس باطنی کیفیت کے متعلق حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے آپ بیتی میں تحریر فرمایا ہے کہ مدینہ پاک سے ۱۶؍ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ کو روانگی ہوئی، اور ایک عجیب کیفیت اس وقت یہ پیش آئی کہ "روضۂ اقدس پر الوداعی سلام کے وقت بے اختیار، بے ارادہ زبان سے یہ لفظ بار بار نکل رہا تھا

کہ ”حضور جلدی بلالیں۔“

بالآخر اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کے قلب مضطرب کو سکون بخشا اور وہ مبارک وقت آپہنچا، جب حضرت ہجرت مدینہ منورہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے حضرت شیخ قدس سرہ نے ”آپ بیتی“ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”بالآخر وہ وقت آہی گیا جس میں حجاز کی مستقل حاضری مقدر تھی۔ اور ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۷۳ء کو سہارنپور سے روانگی ہوئی۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ بمطابق یکم مئی ۱۹۷۳ء کو بمبئی سے جدہ کیلئے بعد عصر روانگی ہوئی اور اگلے دن مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد دوسرے دن سے مدینہ پاک جانے کا تقاضا شروع ہوگیا مگر شدت مرض کی وجہ سے فوری نہ جاسکے۔ بالآخر ۱۹ مئی ۱۹۷۳ء شنبہ (ہفتہ) کے روز بعد عصر عزیز مولوی عبد الحفیظ کی گاڑی میں عربی ۱۱ بجے روانگی برائے مدینہ منورہ ہوئی۔

حضرت کا قیام مدرسہ علوم شرعیۃ میں مقدر تھا چنانچہ ابتداء ہجرت سے وقت وصال تک حضرت کی قیام گاہ مدرسہ علوم شرعیۃ رہی۔

مقدر کی بات دیکھئے کہ جب حضرت کا وصال ہوگیا تو خادم الحرمین الشریفین نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کرائی تو اس توسیع جدید میں مدرسہ علوم شرعیۃ کی عمارت بھی مسجد نبوی علی صاحبہا الآف صلوٰۃ اللہ وسلامہ میں شامل ہوگئی یہ منجانب اللہ ایک انعام ہے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کے قیام کیلئے اس قطعہ ارضی کو مقدر فرمایا جسکے لیے مسجد کا حصہ بننا پہلے سے مقدر ہوچکا تھا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اس قیام مدینہ منورہ میں جو الطافات الٰہیہ رہے اس کا احصار یہ اوراق نہیں کرسکتے۔ شوق ہو تو آپ بیتی میں تفصیل ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

لقاءِ محبوبِ حقیقی

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ " مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ " کے تناظر میں گذرتا تھا خود بھی ہر لمحہ موت کو یاد رکھتے اور دوسروں کو یاد رکھنے کی تلقین فرماتے۔"موت کی یاد" رسالہ تصنیف فرمایا فکرِ آخرت اور محبوبِ حقیقی کی ملاقات ایک ایسا وصف تھا کہ اس کو بھی پورے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی محبوبِ ربّ العالمین، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مراتبِ عُلیا پر پہنچنے کی وجہ سے یہ تمنا تھی کہ میری موت ہی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے۔ اور سب کچھ چھوڑ کر اپنی زندگی کے آخری ایام مدینہ منورہ میں گذارے۔ حیاتِ طیبہ کا آخری حصہ تو مدینہ منورہ کی زمین کے اُوپر گزارا اور قیامت کی صبح تک کے لیے اللہ کریم نے جنت البقیع میں اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوار، قرب عطار فرمادیا۔

تذکرہ مرض الوصال و کیفیتِ نزع

ماخوذ از مضامین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب میمن زید مجدہ۔

حضرت کی علالت کا سلسلہ بہت طویل تھا اور سالہا سال محیط رہا۔

جمادی الاولیٰ جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۰۲ھ صحت، علالت، ضعف اور قوت میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہا۔ حضرت کے مخصوص معالج، محبِ صادق حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب زید مجدہٗ ہر وقت حاضر رہتے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے نبض دیکھتے رہتے تھے۔ کسی وقت غشی کی کیفیت ہو جاتی۔ ۲۲ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ مطابق یوم الاحد کو آنکھوں اور پیشاب میں یرقان محسوس ہوا۔ بخاری شریف کا ختم کرایا گیا جو دو یوم میں مکمل ہوا۔ صاحبزادہ محترم حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی نے بہت ہی الحاح کے ساتھ دُعا کرائی۔ ۲۴ رجب کو بیہوشی رہی، صبح تو "اللہ اللہ" فرماتے رہے بعد ظہر سے "یا کریم یا کریم یا اَدکرم اَدکریم" کا زور رہا۔ کسی وقت "یا حلیم یا کریم" بھی فرماتے۔ یا کریم کی آواز آخری وقت تک وقتاً فوقتاً دیتے رہے۔

۳۰ رجب صبح تک طبیعت کچھ بہتر رہی بعد ظہر سوءِ تنفس کی تکلیف ہوئی جو انجکشن و دوائی وغیرہ سے سنبھل گئی

یکم شعبان بوقت فجر طبیعت کچھ ٹھیک تھی۔ کسی کسی وقت گفتگو بھی فرمائی۔ گزشتہ کل سے پیشاب تو بالکل نہیں آیا تھا صبح آٹھ بجے پھر تکلیف شروع ہوئی۔ دوائی سے پیشاب تو ظہر، عصر کے درمیان آگیا، تنفس کیلئے آکسیجن لگائی گئی وقتاً فوقتاً " یاکریم یاکریم" بھی بلند آواز سے فرماتے رہے۔ ۱۱ بجے الحاج بھائی ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے تکیہ لگا کر اونچا کیا ڈاکٹر اسماعیل صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور دریافت فرمایا کہ کیا ڈاکٹر اسماعیل ہیں؟ بس یہ آخری گفتگو تھی۔ اس کے بعد " یاکریم یاکریم" فرماتے رہے ظہر تک یہ کیفیت رہی اور بعد ظہر بالکل سکون ہوگیا حضرت صاحبزادہ صاحب زید مجدہٗ (پیر صاحب) نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ کیا یہ آخری وقت ہے تو ڈاکٹر صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا تو حضرت صاحبزادہ صاحب زید مجدہٗ نے زور زور سے " اللہ، اللہ" کہنا شروع کردیا۔

اسی حال میں فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ حضرت نے دو مرتبہ آخری ہچکیاں لیں، اور آنکھیں خود بند ہوگئیں اور روح مقدس کو محبوب حقیقی کے قاصد ملکُ الموت اپنی قسمت پر نازاں ہوتے ہوئے مَلاءِ اعلیٰ کی طرف لے گئے اس وقت نمازِ عصر ہوچکی تھی شمس دنیا کے غروب ہونے میں ۱/۲ گھنٹہ باقی تھا کہ اللہ کے بندوں کے قلوب کو نور معرفت و محبت نبویہ سے معمور کرنے والے اپنے محبّ و محبوبؐ کے حضور تشریف لے گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا فِیْ مُصِیْبَتِنَا وَاخْلُفْ لَنَا خَیْرًا مِّنْھَا اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ۔ اِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا شَیْخُ لَمَحْزُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَمُحَبَّتَہٗ فِی الْاَعْمَالِ وَالْاَحْوَالِ کُلِّھَا سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَ احْشُرْنَا مَعَہٗ عَلَی الْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ وَبَوِّئْنَا بِجِوَارِ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

تجہیز و تکفین

غسل کے وقت خدام کا بڑا مجمع موجود تھا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ اس مبارک عمل میں شریک ہو مشورہ سے جو جماعت طے ہوئی اس میں سے یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہٗ داماد، خلیفہ مجاز و تلمیذ رشید حضرت شیخ قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب، حضرت مولانا احسان صاحب زید مجدھا تلمیذ و خلیفہ مجاز حضرت شیخ قدس سرہٗ خادم خاص الحاج بھائی ابوالحسن صاحب مرحوم، حضرت حکیم عبدالقدوس صاحب خلفاء حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ صوفی محمد اسلم صاحب رحمہ اللہ، مولوی صدیق قاضی ابرار، عبدالمجید صاحب، عزیز مولوی محمد جعفر سلمہٗ نواسہ حضرت شیخ قدس سرہٗ خادم خاص مولوی نجیب اللہ صاحب

جب کہ قبر کی کھدائی کے لئے اور قانونی کارروائی اجازت وغیرہ کے سلسلہ میں وارث حضرت اقدس صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم ڈاکٹر ایوب صاحب کیساتھ تشریف لے گئے تھے

نمازِ جنازہ عشاء کی اذان سے پندرہ ۱۵ منٹ قبل جنازہ بالکل تیار تھا۔ لہٰذا مشورہ کے مطابق جنازہ باب السلام سے حرم شریف لے جایا گیا۔ عشاء کے فرضوں کے فوری بعد یہاں کی عام روایت کے مطابق حرم نبوی شریف کے امام "شیخ عبد اللہ زاحم" نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع کی طرف باب جبرئیل سے نکل کر چلے۔ ہجوم بے پناہ تھا ایسا ہجوم کسی کے جنازہ میں شاید ہی دیکھا گیا ہو۔

قبر شریف حضرت اقدس قدس سرہٗ کی منشاء مبارک کے مطابق اہلبیت کے احاطہ اور حضرت الاستاذ والشیخ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کی قبر شریف کے قریب کھودی گئی۔ حضرت صاحبزادہ محترم زید مجدہٗ و بھائی ابو الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبر شریف کے اندر اترے اور جسد شریف قبر میں اتارا۔ بعدہ اسکو بند کیا۔

تاریخ لقاء

سعودی تاریخ کے مطابق ۱ شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء یوم الاثنین ہے۔
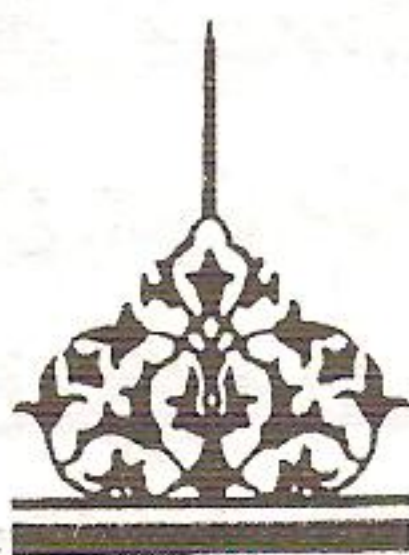
مُبَشِّرَات

(۱) تدفین کے بعد حضرت کے ایک مجاز نے دیکھا کوئی کہہ رہا ہے۔

" فُتِحَ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ "

(۲) ایک اور اللہ والے نے دوسرے روز صبح روضۂ اقدس پر صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہوئے محسوس کیا "گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تمہارے شیخ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے دی گئی ہے۔ ایسا انسان لاکھوں کروڑوں میں کوئی کوئی ہوتا ہے۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ مَحَبَّتَهٗ وَاتِّبَاعَهٗ۔

الختام

ان اوراق کی تکمیل کے موقعہ پر ہمارے مخدوم فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتہم و مدفیوضہم جو ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ کے لاڈلے خلیفہ مجاز و تلمیذ رشید ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے ادارہ "مدرسہ احسان القرآن والعلوم النبویہ" کے با اختیار سرپرست بھی ہیں موجود تھے ان کی خدمت میں یہ اوراق پیش کیے۔ یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا کہ مقدمہ بہت طویل ہو گیا ہے اس میں کچھ حذف فرما دیں۔ موصوف نے نظر ثانی فرمائی۔ کئی جگہ اصلاح بھی فرمائی اور پسند فرمایا۔ اور فرمایا کہ اچھا ہو، کہ "حکایات صحابہ" (جو حضرت شیخ قدس سرہ کی تصنیف ہے) کے باب نمبر ۱۰ سے ازواج مطہرات اور اولادِ اطہار کا ذکر بھی شامل کر لیا جائے کہ وہ بھی آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا تذکرہ ہے۔ الحمد للہ اس کو بھی شامل رسالہ کر دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ بِجَاهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْكَرِيْمِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمُ۔

فقط!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

سَلامٌ علیٰ اَنوارِ طلعتِکَ الّتی

اَعِیشُ بِہا شُکرًا واَفنیٰ بِہا وجدًا

لو شُقَّ عن قلبی فریٰ وسطہٗ

ذِکرُکَ والتّوحِیدُ فی شطرِہٖ

جلاء الافہام ص۲۳۲

دعْ ما ادّعتہُ النّصاریٰ فی نبیّہمُ

واحکُم بِما شِئتَ مدحًا فیہِ واحتکِمِ

فمبلغُ العِلمِ فیہِ اَنّہٗ بشرٌ

واَنّہٗ خیرُ خلقِ اللّٰہِ کُلِّہِمِ

یاربِّ صلِّ وسلِّم دائمًا ابدًا

علیٰ حبیبِکَ خیرِ الخلقِ کُلِّہِمِ

نسب مبارک

آقائے نامدار سرکارِ دوعالم رحمۃ للعالمین

حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مُبارک

عَنْ وَاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ؟ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِىْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِىْ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ۔ رواہ مُسلم تحت باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے میں نے سُنا کہ "اللہ پاک نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے قبیلہ کنانہ کو چنا اور قبیلہ کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا انتخاب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چُنا"۔

بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عبد مناف

مطلب، ہاشم، عبدالشمس، نوفل

عبد المطلب

عبداللہ، عباس، حارث، ابوطالب، حمزہ، ابولہب، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، صفیہ، عاتکہ، برۃ، اروی، امیمۃ، ام حکیم بیضا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قاسم، عبداللہ، ابراہیم رضوان اللہ علیہم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن

حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ملحوظہ:

۱ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب مرۃ بن کعب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔

۲ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب کعب بن لوی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

۳ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب عبد مناف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

۴ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب عبد المطلب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

قریش

قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قبیلہ ہے۔ جس کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ خاندان بنو ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ہے۔ مزید تفصیل سیرۃ المصطفیٰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

قیصر روم نے ابوسفیان سے (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب کے بارے میں یہ سوال کیا "كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ" ان کا نسب تم لوگوں میں کیسا ہے؟ صحیح بخاری کے یہ الفاظ ہیں کہ ابوسفیان نے جواب دیا!

"هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ" وہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں بڑے نسب والے ہیں۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بزار کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

هُوَ فِي حَسَبٍ مَالَا يُفَضَّلُ عَلَيْهِ أَحَدٌ" قال هذه آية (فتح الباری کتاب التفسیر ص ۱۶۲ ج ۸)

یعنی حسب و نسب اور خاندانی شرافت میں کوئی ان سے بڑھ کر نہیں۔

قیصر روم نے کہا کہ یہ بھی ایک علامت ہے۔ یعنی نبی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپکا خاندان سب سے اعلیٰ واشرف ہے اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ ابوسفیان کا جواب سن کر قیصر روم نے کہا "وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا" پیغمبر ہمیشہ شریف خاندان ہی میں سے ہوتے ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ص ۲۱ ج ۱ مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ قدیم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب شریف بیان فرماتے تو "عدنان" تک بیان فرماتے اور اس سے تجاوز نہ فرماتے۔ عدنان پر رک جاتے اور یہ فرماتے۔ "كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ" نسب دانوں نے غلط کہا (طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۱ بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ) یعنی عدنان سے آگے جو نسب بیان کیا جاتا ہے اس کے بارے میں ان کو سلاسل انساب کی تحقیق نہیں جو کچھ کہتے ہیں وہ بے تحقیق ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے کہ عدنان تک سلسلہ نسب بخاری شریف باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے جو مجمع علیہ متفق علیہ ہے۔
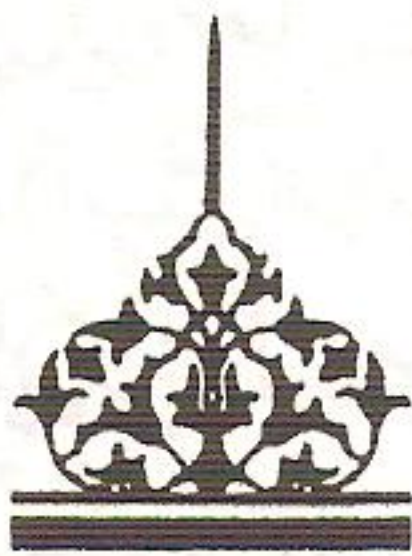
یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الْبَشَر

مِنْ وَّجْہِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَر

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَجَمِیۡعِ اَتۡبَاعِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

ذِکرِ مُبارک

سَیِّدُالکَونَین خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کے لیے بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے۔ آپ کے اخلاق، عادات، عبادات، معاملات، کمالات، معجزات، غرض کونسا باب ایسا ہے کہ جس کا کافی ذکر کیا جا سکے۔ یا اس کا احصار کسی کے امکان میں ہو۔ اس لیے اس بحرِ ذخار کے چند قطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اسمِ مُبارک

آپ کا اسمِ مُبارک محمد ﷺ ہے۔ جس کو آپ کے دادا نے تجویز کیا تھا۔ اور احمد نام آپ کی والدہ نے رکھا۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء والقاب کے ساتھ آپ مخاطب کئے گئے ہیں جن کا شمار رسالہ کی وسعت سے باہر ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں چار سَو سے زیادہ بتلائے ہیں۔ اور ابن دحیہ نے بعض صُوفیاء رحمۃ اللہ علیہم سے ایک ہزار تک نقل کئے ہیں۔

نسب مُبارک

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

یہاں تک سلسلۂ نسب بخاری شریف میں مذکور ہے جو مجمع علیہ اور متفق علیہ۔ اگرچہ اس کے بعد کتب تواریخ میں حضرت آدم علےٰ نبیّنا وعلیہ السلام تک آپ کا نسب مذکور ہے۔

ولادت باسعادت

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت باتفاق اہل تاریخ و سیر دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ البتہ تاریخ میں دو قول ہیں۔ ایک قول آٹھ ربیع الاوّل ۴۲ھ کسروی کا ہے اور دُوسرا بارہ ربیع الاوّل کا ہے جو ۲۹ اگست ۵۷۰ء عیسوی کے مطابق ہے۔ آپ بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد نے پچیس ۲۵ سال اور چند ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت کے معجزات اور پرورش وغیرہ کے حالات ہر ہر چیز ان میں سے دل کو پکڑنے والی ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے مگر افسوس ہے کہ یہ مختصر رسالہ اسکا تحمل نہیں کرسکتا۔

آپ کا نشو ونما

البتہ اتنا ضروری ہے کہ آپ کا نشو ونما عام بچوں کی طرح سے نہیں ہوا۔ بلکہ آپ دُوسرے مہینہ اشارہ فرمانے لگے تھے۔ اور چوتھے ماہ پاؤں پر کھڑے ہونے لگے تھے اور اسی طرح سال ختم ہونے تک چلنا پھرنا، باتیں کرنا سب شروع ہوگیا تھا۔ تیسرے سال کے ختم پر آپ کی دُودھ پلانے والیں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کو واپس لائیں تو یہ سمجھ کر کہ میرے گھر کی سب خیر و برکت جس کو تین سال سے تجربہ کر رہی تھیں کہ ہر چیز میں کھُلا فرق تھا وہ سب آج ختم ہو رہی ہے۔ کچھ روز اور اپنے پاس رکھنے کی مہلت آپ کی والدہ سے لے کر حضور کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ لیکن وہاں پہنچ کر جب شق صدر کا معجزہ پیش آیا تو گھبرا کر اس خوف سے واپس پہنچا گئیں کہ مبادا کوئی خوفناک منظر پیش آجائے۔

شقِّ صَدَر

آپ کا سینہ مبارک چار مرتبہ شق کیا گیا اوّل مرتبہ تو یہی تھا۔ دُوسری مرتبہ اس وقت ہوا جب آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی یہ صحرا میں ہوا تھا۔ تیسری دفعہ بعثت کے وقت ماہ رمضان المبارک یا ماہ ربیع الاوّل میں غارِ حرا میں ہوا۔ چوتھی مرتبہ معراج میں۔*

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے الم نشرح کی تفسیر میں اس کو نہایت وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے جس کو چسکا ہو اسے دیکھ لے کہ لطف کی چیز ہے نیز حضور اقدس ﷺ کے قلب مبارک کی بارہ منزلیں بھی اس میں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مرتبہ شق صدر کس مصلحت سے ہوا اور کس طرح ہوا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض مدعیانِ عقل وفضل کو اس سے اچٹتا ہوا اور انکار کرنے والا دیکھتا ہوں۔ حالانکہ شفاخانوں اور ہسپتالوں میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ انسانی بدن کاٹ کر اور اس کا اندرونی حصّہ نکال کر، دھو کر صاف کر کے اپنی جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے حیرت ہے کہ نصاریٰ اور ان کے ملازم تو اس چیز پر قادر ہوں لیکن اللہ کا فرشتہ ایسا نہ کرسکے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ بجلی کی

---

* حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کی تفصیلی بحث لامع الدراری شرح الجامع الصحیح للامام البخاری جلد ثانی میں موجود ہے۔

مشین کے ذریعہ سے ایک آدمی میں قوت بھری جاسکتی ہے لیکن ایمان وحکمت کی قوت کا بھرنا ان لوگوں کی عقل سے باہر ہے۔

ہمیں اس جگہ معجزات پر کلام کرنا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات کے مجاہدات اور عبادات کی چند مثالیں پیش کرنی ہیں جو منبع ہیں، صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے مجاہدات اور کثرتِ عبادات کا۔

بچپن میں مصائب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے جن مصائب پر تحمل فرمانا پڑا ان کا حصار بھی دشوار ہے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی والد کا انتقال ہو چکا تھا چھ سال کی عمر میں والدہ نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ تو آپ کو آپ کے جدِ امجد عبد المطلب نے پرورش کی۔ لیکن دو سال دو ماہ دس دن بعد جب کہ آپ کی عمر شریف صرف آٹھ سال کی تھی انھوں نے بھی الوداع کہا۔ اولاد والے ان پے در پے صدمات کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ کی ستودہ ذات کو ان سے کہیں بڑھ کر صدمات برداشت فرمانے تھے جن کے مقابلہ میں یہ اُمور کچھ بھی نہیں تھے۔

بچپن کے اوصاف حمیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے رحمدلی، وفاداری، سچائی، دیانتداری، نیک چلنی، صفائی معاملات، غرباء نوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی غرض جملہ اخلاق محمودہ میں شہرۂ آفاق ہو چکے تھے۔ امین کا لقب آپ کو دیا گیا تھا۔ بوڑھے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ مکہ میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، امانت میں خیانت نہیں کی، کسی عورت کی طرف نظرِ بد سے نہیں دیکھا نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی سے تُرش رو ہو کر گفتگو فرمائی ان اوصاف کی وجہ سے ہر شخص آپ کے ساتھ الفت ومحبت رکھتا تھا۔

شام کے اسفار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آگئے۔ مگر وہ کثیر العیال تھے اور اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی اور سخاوت کے علاوہ سردارانہ حیثیت کے اخراجات اس پر مزید برآں تھے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول چچا کے ساتھ جب کہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شام کا تجارتی سفر کیا۔ مگر اس مرتبہ بحیرا راہب نے راستہ سے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ ان کو ملک شام نہ لے جانا۔ یہود اگر ان کو دیکھیں گے تو برائی سے پیش آئیں گے۔ لیکن دوبارہ جب آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور واپسی پر جو منافع آپ کو ملے تھے وہ آپ نے اپنے چچا کی خدمت میں پیش کردیئے کہ آپ کی سعادت کا مقتضیٰ یہی تھا۔

نکاح اوّل

اسی سال آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور چالیس ۴۰ سال کی عمر تھی اور نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک پچیس ۲۵ سال کی تھی۔ جو لوگ سید الکونین ﷺ پر بکثرت شادیاں کرنے کی وجہ سے کسی غلط خیال اور باطل عقیدہ میں اُلجھے ہوئے ہیں ان کو صرف اسی ایک واقعہ سے سبق لینا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ جب آپ نے اپنی نوجوانی کا زمانہ ایک بیوہ عورت کے ساتھ گذار لیا اور ایک بوڑھی عورت پر قناعت فرمائی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ کی یہ بکثرت شادیاں ضرور کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تھیں اور وہ مصلحت یہی تھی کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہو جائے جو ان کے لیے دینِ اسلام قبول کرنے میں معاون بنے۔

آپکی اولاد

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کی تمام اولاد (یعنی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن اور چار یا تین صاحبزادے (علی اختلاف الاقوال) حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم نبی کریم ﷺ کی باندی ماریہ قبطیہ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

اولاد کا داغِ مفارقت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بقیہ سب اولاد کا بھی داغ مفارقت آپ ﷺ کو اٹھانا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ لڑکوں کا انتقال چونکہ بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے اولاد کی جدائی کے ساتھ ساتھ جاہل عربوں کے طعنے بھی سُننے پڑے کہ وہ آپ کو ابتر یعنی دم بریدہ اور منقطع النسل کہتے تھے۔

خلوت نشینی

نبی کریم ﷺ کی نبوّت کا زمانہ جوں جوں قریب آرہا تھا آپ ﷺ کو خلوت اور تنہائی زیادہ پسند ہوتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے تین میل پر کوہِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں تنہائی و یکسوئی میں قیام فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے جب توشہ ختم ہو جاتا تو تشریف لا کر دوبارہ واپس چلے جاتے اور کئی کئی دن وہاں گذار دیتے۔ رمضان المبارک میں اپنے اہل و عیال کو بھی لے جاتے اور تمام رمضان وہیں گذار دیتے۔

نبوت سے چھ ماہ قبل آپ کو سچے خواب بڑی کثرت سے نظر آنے لگے تھے۔ جو صبح کی طرح روشن ہوتے تھے اور صاف طور سے پورے ہو جاتے تھے۔ بسا اوقات پہاڑ کی آمد و رفت کے درمیان آپکو "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ" کی آواز درختوں اور پتھروں سے سُنائی دیتی تھی۔

بعثتِ نبویہ ﷺ

اسی دوران میں جب کہ نبی کریم ﷺ اس خلوت نشینی اور تنہائی کی عبادات و ریاضات کی وجہ سے بارِ وحی کے متحمل ہو گئے تو ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۃ اقراء کی شروع کی آیتیں یعنی "اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاءْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ." ایک ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی لائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا یا ربیع الاوّل کا اور کونسی تاریخ تھی۔ صاحب مجمع البحار نے اس میں پانچ قول نقل کیے ہیں۔ فرشتہ نے آپ سے کہا کہ اس کو پڑھیئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر اس زور سے بھیچا کہ آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ جس سے آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھنے کو کہا۔ آپ ﷺ نے پھر امّی ہونے کا عذر کیا۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو گلے سے لگا کر زور سے بھیچا۔ اور چوتھی مرتبہ آپ ﷺ سے جب پڑھنے کو کہا تو آپ ﷺ نے بے تکلف ان کو پڑھ دیا۔

اقسامِ نسبت

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اس فعل کی مصلحتیں شراح حدیث نے مختلف لکھی ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف بات تحریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تاثیر اور قوتِ ملکوتیت آپ میں پہنچانی مقصود تھی۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کی تاثیر جو دوسرے میں اثر پیدا کرتی ہے اور جس کو عرف میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔ (۱) اوّل انعکاسی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بہت سا عطر لگا کر مجلس میں آوے کہ اس کے عطر کی خوشبو سب ہم نشینوں کو معطر کر دے گی مگر یہ خوشبو کا اثر اسی وقت تک رہے گا جب تک وہ شخص مجلس میں موجود ہو۔ اسی لیے توجہ کی یہ قسم سب سے ضعیف ہوتی ہے۔ (۲) دوسری توجہ القائی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص چراغ کو درست کرے اور اس میں مناسب تیل اور روئی کا انتظام کر کے اسے روشن کر دے۔ یہ قسم پہلی قسم سے بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں صاحب توجہ کی غیبت میں بھی اثر رہتا ہے لیکن تھوڑے سے مانع مثلاً ہوا کی تیزی سے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۳) تیسری قسم اصلاحی کہلاتی ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جگہ

بہت سا پانی جمع کرلیا جائے اور کسی حوض تک اس کا بڑا راستہ بنا دیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی معمولی سامان خس و خاشاک کیصورت سے راستہ میں آجائے تو پانی کا بہاؤ اسکو ہٹا دیگا لیکن اگر راستہ ہی بند ہوجائے تو پانی کی آمدورفت بند ہوجائے گی۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہت زیادہ قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور لطائف کی ستھرائی اسمیں بہت زیادہ ہے۔

(۴) چوتھی قسم اتحادی ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی رُوح کو مرید کی رُوح کے ساتھ اس درجہ پیوست کردے کہ دونوں ایک ہوجائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صُورت پہلی سب صُورتوں سے زیادہ قوی ہے کہ شیخ کی رُوح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طالب کی رُوح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ صُوفیائے کے یہاں یہ توجہ بہت اہم سمجھی جاتی ہے مگر بہت کم پائی جاتی ہے۔

نسبت اتحادی کا ایک لطیف واقعہ

نسبت اتحادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کا قصہ مشہور ہے جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے یہاں کئی مہمان آگئے اور گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ آپ اس فکر میں باہر تشریف لائے قریب ہی ایک نان بائی (طباخ) کی دوکان تھی اس کو جب مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ نہایت پر تکلف کھانا خوان میں رکھ کر حاضر ہوا۔ حضرت کی زبان سے غایت مسرت میں نکلا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے"۔ اس نے عرض کیا اپنے جیسا کردیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ مگر اس نے بار بار لجاجت سے درخواست کی۔ جب حضرت باوجود اپنے چند مرتبہ کے انکار کے مجبور ہوگئے تو اُس کو اپنے ہمراہ لے کر حجرہ میں گئے اور وہاں توجہ اتحادی فرمائی جب حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دونوں کی صُورت تک ایک سی معلوم ہو رہی تھی۔ بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ صاحب ہوشیار اور ہوش میں تھے اور وہ بے ہوش تھا۔ اور اسی عالم بے ہوشی میں تیسرے دن انتقال کرگیا۔[۵] رحمۃ اللہ تعالےٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا تسلی دینا

یہ ہی توجہ اتحادی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی مگر چونکہ اس کے تحمل کی استعداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی اس لیے اسکے تحمل میں آپ کو کوئی اشکال نہ ہوا۔ مگر بار بار کے بھینچنے اور دبوچنے سے اس درجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی کہ بخار آگیا۔ اور دولت کدہ پر واپس تشریف لاکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے جلدی سے کچھ اڑھادو کچھ افاقہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ سب قصہ سنایا اور یہ بھی

---

۵ اس واقعہ میں آپ بیتی نمبر ۵ کے ضمیمہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ واعلیٰ اللہ مراتبہ نے اسکے آگے تحریر فرمایا ہے کہ "موت تو آنی تھی اور اس کا جو وقت مقرر تھا اسمیں تقدم تاخر (آگے پیچھے) نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور موت کے وقت خواجہ باقی باللہ جیسا بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے۔ ۱۲

فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے سے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی اور اس جیسے اور واقعات سن کر اس وقت کی منتظر تھیں اس لیے آپ کو تسلّی دینے کے طور پر عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھاتے ہیں، بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، حق کے آپ ہمیشہ حامی رہے ہیں، آپ کی نیک عادات، پاکیزہ خصلت اور محمود طبیعت سے ہر شخص واقف ہے۔ آپ کی مہمانداری، غربانوازی برادر پروری ضرور اچھا اور بہتر نتیجہ دکھلائے گی۔ لہٰذا آپ ذرا بھی خوف نہ فرمائیں۔

ورقہ بن نوفل کا واقعہ

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ بن نوفل کے پاس جاکر پورا قصہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل یہودیت و نصرانیت کے ماہر تھے۔ اس لیے تمام قصہ سُن کر قدوس قدوس پکار اٹھے اور فرمایا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کی زبانی تمام قصہ سُنا اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں تم کو نبوت کا خلعت مل گیا۔ تم وہی نبی ہو جن کے متعلق آسمانی کتابیں بشارتوں سے پُر ہیں کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا اور اس وقت آپ کی مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی آپ نے تعجب سے پوچھا کیا یہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب میں کہا ہاں۔ جو بھی نبی آیا اور اس نے توحید و رسالت کی دعوت دی۔ اس کے ساتھ ابتدا میں عداوت اور دشمنی کا برتاؤ کیا گیا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تبلیغ کا آغاز

نبی کریم ﷺ اوّل اوّل مخفی طور پر لوگوں کو توحید کی تعلیم فرماتے رہے۔ لیکن جب آپ نے دین کی تبلیغ میں یوماً فیوماً زیادتی فرمائی اور اہتمام شروع کیا اس وقت سے کفار مکہ کی عداوت شروع ہو گئی آپ کے لائے ہوئے پاکیزہ دین کی تعلیم سے گو مسلمانوں میں اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن جوں جوں مسلمانوں میں اضافہ ہوتا تھا بد باطن کافروں میں حسد کی آگ بہت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ ابوطالب حضرت کی حمایت بھی فرماتے تھے لیکن کفار کا از خود رفتہ جوشِ عداوت تکالیف پہنچانے سے باز نہیں رہتا تھا مسلمانوں کی جماعت اوّل میں نہایت قلیل تھی اس وجہ سے وہ عبادتِ الٰہی مخفی طور پر کرتے تھے لیکن اس پر بھی جب ان کو عبادت کرتے ہوئے کوئی کافر و مُشرک دیکھ لیتا تو تمسخر کرتا، تکلیف پہنچاتا اور مار پیٹ سے بھی باز نہ رہتا۔ بنو امیہ کا سردار ابو سفیان مسلمانوں کا سخت دشمن ہو گیا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو اسکو

عرب کی گرم ریت پر لٹا دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ یا تو بتوں کی پرستش کرو ورنہ ملک عدم کی راہ لو۔

اقرباء کو تبلیغ کا حکم

تین سال تک حضور اقدس ﷺ اور آپ کے رفقاء اسی طرح خاموشی سے اسلام کی تبلیغ اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ تین سال بعد قرآن پاک آیت "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (پارہ ۱۹) نازل ہوئی۔ اس آیۃ شریفہ میں آپ ﷺ کو اپنے رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آپ کو اپنی قوم کی سرکشی کی وجہ سے ہرچند تشویش تھی مگر حکم الٰہی کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ اس لیے آپ نے دعوت کا اہتمام فرمایا اور اپنے سب اعزہ کو اس میں مدعو کیا۔ اوّل مرتبہ کوئی حرف بھی زبان پر لانے کی نوبت نہ آئی کیونکہ تھوڑی سی مقدار کھانے کی چالیس آدمیوں کو کافی ہو جانا خود اس بات کے لیے بہت کافی تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کی کھوج لگائیں۔ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے تعلق پیدا کرتے مگر ابُولہب یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ لے گیا کہ کھانے میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادُو کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دُوسری مرتبہ پھر دعوت فرمائی اور سردارانِ قریش کو مدعو کیا۔ اور کھانے کے بعد آپ نے نہایت پیارے الفاظ میں نصیحت فرمائی اور توحید کی ترغیب، شرک سے نفرت دلائی مگر کم بخت ابُولہب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ابُوطالب تمہارا یہ بھتیجا جو تم کو اولاد سے زیادہ پیارا ہے تمھیں یہ کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بن جاؤ یہ کہہ کر سب نے مذاق اڑایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے چلے گئے۔

علی الاعلان تبلیغ کا حکم

حتیٰ کہ آیت کریمہ "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (پ ۱۴) نازل ہوئی۔ اس آیت میں آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور کفار کے سب قبائل کو نام بنام پکارا۔ عرب کے دستور کے موافق سب جمع ہو گئے تو آپ نے اوّل ان سے دریافت کیا کہ اگر میں اس بات کی خبر دوں کہ عنقریب تم پر کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے اور اس پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا ہے تو تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ ہم نے تمھیں جھوٹ بولتے کبھی نہیں دیکھا اس لیے ضرور سچا سمجھیں گے۔ تو آپ ﷺ نے پھر عذابِ الٰہی سے ڈرایا مگر وہ کفار جو ابھی ابھی آپ کی صداقت کا اقرار کر چکے تھے یہ سُن کر ہنس پڑے۔ ابُولہب نے غصّہ میں آ کر کہا "تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا" یعنی تیرے لیے ہلاکت ہو۔ کیا اسی لیے ہم کو جمع کیا تھا۔ (العیاذ باللہ)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

ایذا رسانی کی ابتداء

مجمع وہاں سے منتشر ہو گیا مگر جگہ جگہ آپ کی ایذاء رسانی اور تکلیف دہی کے منصوبے شروع ہو گئے جس سے جو بن پڑا وہ کیا۔ ابو لہب کی بیوی جو ابو سفیان کی بہن تھی وہ جنگل سے کانٹے لا کر آپ کے راستہ میں بچھاتی تاکہ رات کی آمدورفت میں آپ کو تکلیف پہنچے۔ آپ کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہو چکے تھے ان کو ہر طرح سے تکلیف دی جاتی اور بالآخر لڑکوں سے کہہ کر انکو طلاق دلوادی تاکہ آپ کو اور بھی تکلیف پہنچے۔ ابوطالب ہر چند کہ آپ کی حمایت کرتے تھے مگر اول تو تنہا دوسرے وہ خود اس نئے مذہب سے علیحدہ تھے۔

ایک مرتبہ کفار کا بہت سا مجمع اکٹھا ہو کر ابو طالب کے پاس گیا کہ آپ یا تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روک دیں ورنہ ہمارے حوالہ کردو کہ خود ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ ابوطالب سخت متحیر تھے نہ آپ کو چھوڑ سکتے تھے کہ باپ کی آخری وصیت اور آپ کے اخلاق و کمالات اس میں مانع تھے نہ کفار کے بار بار آنے والے وفود سے انکار کر سکتے تھے۔ بالآخر ایک مرتبہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کو بلا کر بڑی لجالت اور طویل گفتگو کر کے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے مقصد سے ہٹ جائیں اور دعوتِ دین کے کام کو چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے نہایت ہی استقلال سے فرمایا "کہ میرے چچا اگر کفار مکہ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ جل شانہٗ دینی مقصد کو پورا فرمادیں یا میں شہید ہو جاؤں۔

نبی کریم ﷺ کی ثابت قدمی اور حلم و صبر

نبی کریم ﷺ نے اندازہ فرمالیا تھا کہ اب چچا جان بھی حفاظت سے عاجز ہو گئے مگر اس کے باوجود آپ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کفار مکہ جوں جوں اپنی کوششوں میں ناکام ہوتے تھے اتنے ہی ان کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ جس اذیت اور تکلیف کے دینے پر قادر ہوتے اس میں کسر نہ چھوڑتے تھے۔ بالخصوص نماز کی حالت میں آپ کو خاص طور سے ستاتے تھے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں چند لوگوں نے مل کر آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کا پیٹہ (اوجھڑی) رکھ دیا جسکے بوجھ کی وجہ سے آپکو سجدہ سے اٹھنا مشکل ہو گیا اور جب آپ سر نہ اٹھا سکے تو خوب قہقہہ لگایا۔ آپ پر راستہ میں پتھر مارے جاتے تھے،

نجاست اور گندگی ڈالی جاتی تھی اور اسی پر بس نہ تھا بلکہ قتل کر دینے کی تدابیر بھی ہر وقت کی جاتیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا تکالیف برداشت کرنا اور استقامت

جب خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ تھا تو آپ کے رفقاء (مسلمان صحابہ) کا تو ذکر ہی کیا۔

جب کہ ان حضرات کو تکلیف دینے میں کوئی بھی مانع نہ تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] کو روزانہ دوپہر کے وقت ریت پر لٹا کر ببول کے درخت کے کانٹے چبھوئے جاتے اور سینہ پر ایک سخت پتھر رکھا جاتا کہ آپ تڑپ بھی نہ سکیں اور چاروں طرف آگ جلا دی جاتی تاکہ اس حالت میں مرجائیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا چھوڑ دیں۔ لیکن جب یہ تمام صورتیں بے کار ہو گئیں تو رات کو زنجیر میں باندھ کر چند لوگ باری باری کوڑے مارتے تھے تاکہ اگلے روز یہ زخم دھوپ میں گرم ہو کر تکلیف پہنچائیں اور سوزش پیدا کریں مگر اس اللہ کے مخلص بندے کی زبان اَحَدٌ، اَحَدٌ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا کہ روزانہ ان کو دھوپ میں لٹا کر گرم ریت کے ذریعے ان کو تکلیف دی جاتی آخر حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا تحمل نہ کر سکے اور چند روز میں انتقال کر گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے ابوجہل نے شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہو گئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان احوال کو دیکھتے تھے لیکن خود آپ کی یا اور کسی کی مجال بھی نہ تھی کہ کسی کی اعانت کر سکے۔

میں ان چند اوراق میں نبی اکرم ﷺ ہی کی جفاکشی اور دین حنیفی کے پھیلانے میں جو تکالیف آپ کو آئیں ان کا مختصر تذکرہ بھی نہیں کر سکتا پھر بھلا صحابہ کے احوال و واقعات ذکر کرنے کی گنجائش کہاں سے لا سکتا ہوں۔ اوّل تو قلم ان واقعات کے لکھنے سے کانپتا ہے دوسرے ہر ہر جملہ پر مضمون اور کتاب کے طویل ہو جانے کا خوف ہے کہ ہمارے اولوالعزم مسلمانوں کو طویل تحریر کے پڑھنے یا دیکھنے کی مہلت بھی نہیں اور اگر صفحات کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ قیمت میں اضافہ ہو گیا تو یہ ساری ہی کتاب نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ کیونکہ دینی کام کے لیے پیسہ خرچ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ہاں سینما کے ٹکٹ جتنے چاہیں خرید سکتے ہیں۔

حبشہ کی پہلی دوسری ہجرت ۵ھ نبوی

بہر حال جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر حد سے زائد تکالیف کی بارش ہونے لگی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو مکہ

---

[1] حضرت بلال وغیرہ رضی اللہ عنہم کے اسلام لانے کے تفصیلی واقعات "حکایات صحابہ" باب اوّل میں ملاحظ فرمائیں۔ ۱۲

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی بہت سے لوگوں نے حبشہ میں جاکر اقامت فرمائی اور شاہ حبشہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا کے پاس جاکر سکون وآرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی جو نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی۔ اس جماعت میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں تھیں اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ایک اور جماعت حبشہ گئی جس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں شامل تھیں یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی [۱] ہے۔ کفار مکہ اپنی حماقت سے اس کوشش میں بھی لگے رہے کہ وہاں سے بھی یہ مظلوم نکال دیئے جائیں۔ مگر وہ ساری تدابیر بے کار رہیں۔

شعبِ ابی طالب کا واقعہ

نبی کریم ﷺ بنفس نفیس خود مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور ہر نوع کی تکالیف برداشت فرماتے رہے چھ سال کامل یہ ہی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے گذر گیۓ یکم محرم ۷ھ نبوی میں کفار مکہ نے ایک نئی تجویز ایذا رسانی کی نکالی کہ حضور اقدس ﷺ کے تمام کنبہ کو برادری سے الگ کر کے شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا۔ عام لوگوں کا کھانا پینا بھی ان حضرات کے ساتھ بند تھا اس گھاٹی [۲] سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی، نہ ہی کسی دکاندار سے کسی چیز کے خریدنے کی اجازت تھی۔ نہ وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان لے جانے کی اجازت۔ خود ان حضرات کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ کچھ دن بعد جب ختم ہو گیا تو اس کے بعد فاقے پر فاقے شروع ہوئے۔ بچے اور عورتیں بھوک کی شدت سے بیتاب ہو گئے۔ کفار کا یہ معاہدہ زبانی معاہدہ نہ تھا اور ایک دو آدمیوں کی قرارداد نہ تھی بلکہ تمام سرداران مکہ کے اس پر دستخط کرائے گئے تھے۔

کاتبِ معاہدہ کا واقعہ

اس معاہدہ کا لکھنے والا منصور بن عکرمہ عبدری تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ سزا ملی کہ اس کے ہاتھ شل ہو گئے لیکن جب بدبختی غالب ہوتی ہے تو کوئی بات بھی دل پر اثر نہیں کرتی۔

ابتلاء سے نجات

جب تین سال کامل اسی مجاہدہ کو ہو گئے اور اس امتحان میں مسلمان کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے چند لوگوں کے دل میں اس معاہدہ کی مخالفت پیدا فرمادی اور خود کفار و مشرکین میں سے چند لوگ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جن کو

---

[۱] یہ ہجرت ۵ھ نبوی ماہ شوال میں ہوئی اور پہلی ہجرت ماہ رجب ۵ھ نبوی میں ہوئی تھی
[۲] گھاٹی

نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں پر ترس آگیا۔ ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی کہ وہ کاغذ کہ جس پر یہ معاہدہ لکھا ہوا ہے اس کو دیمک کھاگئی اور صرف وہ جگہ صحیح وسالم باقی رہ گئی جس پر اللہ پاک کا نام ہے۔ ابوطالب نے اس موقعہ پر قریش کے سرداروں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ وہ کاغذ دیمک کھاگئی اب فیصلہ اسی پر ہے اگر واقعی وہ معاہدہ دیمک کی نذر ہوگیا تو اب تم اپنی حرکت سے باز آجاؤ۔ معاہدہ کو دیکھا تو وہ واقعی ایسا ہی ہوچکا تھا۔ جن لوگوں کو پہلے سے مخالفت کا خیال پیدا ہوچکا تھا ان کو تقویت ہوئی اور تین سال بعد یہ سب حضرات اس ابتلاء سے نکلے۔

عَامُ الحُزن

اس کے قریب ہی آپ پر یکے بعد دیگرے دو سخت صدمے پیش آئے۔ ایک آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال تھا جن کا وجود کفارِ مکّہ کی بہت سی اذیتوں کو روکنے والا تھا دوسرا صدمہ آپ کی جانثار مونس بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا یہ سال مسلمانوں میں عَامُ الحُزن (غم کا سال) سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس ظاہری اعانت اور رفاقت کا سہارا بھی جاتا رہا۔

مگر نبی کریم ﷺ کو باوجود تمام تکالیف اور اذیتوں کے اور باوجود صدمات اور رنج وغم کے اپنے اللہ کے ساتھ لگاؤ اور اس کے دین کی اشاعت اور تبلیغ سے کوئی چیز بھی ہٹانے والی نہ تھی۔ کفارِ مکہ ہر وقت آپکو مجنون، دیوانہ، کاہن، جادوگر اور شاعر وغیرہ وغیرہ القاب سے پکارتے اور طعنے دیتے، مگر حضور اکرم ﷺ ہر وقت ان کی فلاح وبہبود اور مسلمان ہوجانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ کوئی مصالحت کی گفتگو ہوتی تب بھی آپ کا جواب یہ تھا کہ مصالحت صرف ایک صورت میں ہوسکتی ہے وہ یہ کہ تم مسلمان ہوجاؤ۔ اور اللہ پاک کی عبادت کرنے لگو۔ مگر ان لوگوں کی طرف سے اس پر قہقہے لگتے۔ مذاق اڑایا جاتا۔

اطرافِ مکّہ میں تبلیغ

خاص شہر مکّہ سے جب آپ کو مایوسی ہوئی تو آپ نے مکّہ کے اطراف میں تبلیغ شروع فرمائی۔ اور ہر ہر قبیلہ سے جاکر اللہ کے دین میں داخل ہونے اور اللہ کے پاک رسول کی مدد کرنے کی درخواست کی مگر ان لوگوں نے بجائے اعانت ومدد کے صاف انکار کر دیا اور مذاق اڑایا۔

سَفرِ طائف[1]

طائف میں جب آپ نے اللہ کے پاک دین کو پھیلانے کا ارادہ فرمایا تو وہاں کے سرداروں نے

---

[1] اس سفر کی تفصیل "حکایاتِ صحابہ" باب اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

نہ صرف آپ کا مذاق اڑایا بلکہ بچوں اور شہر کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو اینٹیں ماریں اور پتھر برسائیں۔ اس پتھراؤ کے بعد آپ کے دونوں جوتے خون کے بہنے کی وجہ سے سرخ ہو گئے۔ نبی پاک ﷺ طائف سے واپس تشریف لائے اور ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر یہ دعا مانگی۔

دُعا اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔ (کذافی سیرت ھشام. قلت واختلفت الروایات فی الفاظ الدعاء کما فی قرۃ العیون)۔

ترجمہ: ”اے اللہ تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک کہ تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔“

ضابطہ عطایاء اللہ عزوجل بقدر مجاہدہ اللہ جل شانہ کے یہاں سے ہر مجاہدہ پر اس کے موافق انعام ملتا ہے اور اللہ کے راستہ میں جسقدر قربانیاں دی جائیں اسکے موافق ثمرہ عطا ہوتا ہے۔ یہ قصہ اپنے اندر بہت بڑی قربانی اور مجاہدہ کو لئے ہوئے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ان مجاہدات کا ثمرہ وہ تقرب الٰہی ہے جو معراج کے نام سے مشہور ہے کہ یہ تقرب اولین و آخرین میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ اسی معراج میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان تحفہ دیا گیا کہ ان پر پانچ وقت کی نماز فرض کر دی گئی جو حق تعالیٰ سے مناجات کا ذریعہ بھی ہے اور سب سے اہم عبادت بھی ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو احکم الحاکمین کی بارگاہ کے تقرب سے منہ موڑ کر چند کوڑیوں کے مالک اور چند لمحوں کے حاکموں کا درباری تقرب ڈھونڈنے کے لیئے اپنا جان و مال حتیٰ کہ اپنا دین بھی قربان کر دیتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

فائدہ روایت کیا ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ نے، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "کہ جس شخص کے پاس خیرات کرنے کو مال نہ ہو وہ اپنی دُعا میں یہ درود شریف پڑھے تو اس کے لیے باعثِ تزکیہ ہوگی۔" (ابن حبان)

کتبہ الفقیر نفیس الحسینی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

مِعراجِ نبوی

معراج کا قصہ مسلمانوں کے لیے جتنا بھی قابلِ افتخار ہو مگر کفار کے لیے اور بھی استہزاء اور مذاق اڑانے کا سبب بن گیا اور طعن و تشنیع، سب و شتم کا ایک اور بہانہ ان کے ہاتھ میں آ گیا[1]

اسی سلسلہ کا ایک اہم مسئلہ شبِ معراج میں حضورِ اقدس ﷺ کے شق الصدر کے بعد ایمان و حکمت کا بھرنا تھا۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ شبِ معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے نبی اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کو نکالا اور اس کو زمزم شریف کے پانی سے دھویا اور سینہ مبارک میں ایمان و حکمت بھر دیا۔ اور شبِ معراج میں نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر پیچھے رہ گئے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم!

کہ میری تو پرواز کی انتہا ہو چکی، اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلی باری تعالیٰ سے جل جاؤنگا اور پھر یہ سیّد الکونین ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو چھوڑ کر قاب قوسین تک پہنچ گئے۔

قاضی عیاضؒ رحمۃ اللہ علیہ شفا میں فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے فضائل میں معراج کی کرامت بہت ہی اہمیت رکھتی ہے اور بہت فضائل کو متضمن ہے۔ اللہ جل شانہ سے سرگوشی اللہ جل شانہ کی زیارت انبیاً اکرام کی امامت اور سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف بری لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ شانہ کی بڑی نشانیوں کی سیر کی۔ یہ معراج کا قصہ حضورِ اقدس ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور اس قصہ میں جتنے درجات رفیع جن پر قرآن پاک اور احادیث صحیح میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ سب حضور ﷺ کی خصوصیات ہیں۔ اس قصہ کو صاحبِ قصیدہ بُردہ نے مختصر لکھا ہے اور جسے حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے مع ترجمہ کے نشر الطیب میں ذکر کیا ہے۔ اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

---

[1] اس سے آگے کا شبِ معراج کا مضمون "آپ بیتی" نمبر ۵ کے ضمیمہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

[2] یہاں سے آخر تک کا مضمون حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی تالیف "رسالہ فضائل درود شریف" سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

مِنَ القَصِیدَة

سَرَیتَ مِن حَرَمٍ لَیلاً اِلیٰ حَرَمٍ کَمَا سَرَی البَدرُ فِی دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

ترجمہ! آپ ایک شب میں حرم شریف مکہ سے حرم محترم مسجدِ اقصیٰ تک (باوجودیکہ ان میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے (ظاہر و باہر تیز رو کمال نورانیت وارتفاع کدورت کے ساتھ) تشریف لے گئے جیسا کہ بدر تاریکی کے پردہ میں نہایت درخشانی کے ساتھ جاتا ہے۔

وَبِتَّ تَرقیٰ اِلیٰ اَن نِلتَ مَنزِلَۃً مِن قَابَ قَوسَینِ لَم تُدرَک وَلَم تُرَمِ

اور آپ نے بحالت ترقی رات گذاری اور یہاں تک ترقی فرمائی کہ ایسا قربِ الٰہی حاصل کیا کہ جس پر مقربانِ درگاہ خداوندی سے کوئی نہیں پہنچایا گیا تھا۔ بلکہ اس مرتبہ کا بسبب غایت رفعت کسی نے قصد بھی نہیں کیا تھا۔

وَقَدَّمَتکَ جَمِیعُ الاَنبِیَاءِ بِہَا وَالرُّسُلِ تَقدِیمَ مَخدُومٍ عَلیٰ خَدَمِ

اور آپ کو مسجد بیت المقدس میں تمام انبیاء و رسل نے اپنا امام و پیشوا بنایا جیسا مخدوم خادموں کا امام و پیشوا ہوتا ہے۔

وَاَنتَ تَختَرِقُ السَّبعَ الطِّبَاقَ بِہِم فِی مَوکِبٍ کُنتَ فِیہِ صَاحِبَ العَلَمِ

اور منجملہ آپ کی ترقیات کے یہ امر ہے کہ، آپ سات آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے۔ جو ایک دوسرے پر ہے ایسے لشکر ملائکہ میں (جو بلحاظِ آپ کی عظمت وشان و تالیفِ قلبِ مبارک آپ کے ہمراہ تھا اور) جس کے سردار اور صاحبِ عَلم آپ ہی تھے۔

حَتّیٰ اِذَا لَم تَدَع شَأوًا لِمُستَبِقٍ مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرقًا لِّمُستَنِمِ

(آپ رُتبۂ عالی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے اور آسمانوں کو برابر طے کرتے رہے) یہاں تک کہ جب آگے بڑھنے والے کی قُرب و منزلت کی نہایت نہ رہی اور کسی طالبِ رفعت کے واسطے کوئی موقعہ ترقی کا نہ رہا تو:

خَفَضتَ کُلَّ مَکَانٍ بِالاِضَافَۃِ اِذ نُودِیتَ بِالرَّفعِ مِثلَ المُفرَدِ العَلَمِ

(جس وقت آپ کی ترقیات نہایت درجہ کو پہنچ گئیں تو آپ نے ہر مقام انبیاء کو یا ہر صاحب مقام کو) بنسبت اپنے مرتبہ کے جو خداوند تعالیٰ سے عنایت ہوا پست کردیا۔ جبکہ آپ اُدْنُ (یعنی قریب آجا) کہہ کر واسطے ترقی مرتبہ کے مثل یکتا و نامور شخص کے پکارے گئے۔

كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَيِّ مُسْتَتِرٍ   عَنِ الْعُيُوْنِ وَسِرٍّ اَيِّ مُكْتَتِمِ

(یہ ندا، یا محمدؐ کی اس لئے تھی) تاکہ آپ کو وہ وصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور تاکہ آپ کامیاب ہوں اس اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے۔ (عطر الوردہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

یہاں تک تو حضرت نے قصیدہ بردہ سے معراج کا قصہ نقل فرمایا اور عطر الوردہ جو قصیدہ بردہ کی اُردو شرح حضرت شیخ الہند مولانا الحاج محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس سے ترجمہ نقل کیا، اس کے بعد آخری شعر يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ الخ تحریر فرماکر اپنی طرف سے عبارتِ ذیل کا اضافہ کیا ہے۔

ولنختم الكلام وقعة الاسراء   بِالصَّلٰوة عَلٰى سَيِّد اهل الاصطفاء
وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اهل الاجتباء   مَا دَامَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَاء

جس کا ترجمہ یہ ہے ہم ختم کرتے ہیں معراج والے قصہ پر کلام کو دُرود شریف کے ساتھ اس ذات پر جو سردار ہے سارے برگزیدہ لوگوں کی اور ان کے آل واصحاب پر جو منتخب ہستیاں ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ہجرت کی ابتداء

نبی اکرم ﷺ پہلے ہی سے باہر کے آنے والوں کو تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ۱۱ھ نبوی سے مدینہ طیبہ میں اسلام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ مدینہ والے جو اپنی ضرورتوں یا حج کی ادائیگی کی وجہ مکہ مکرمہ آتے تھے وہ یہاں سے مسلمان ہو کر جاتے اور پھر مہاجرین بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی تھی اور یہ حضرات چاہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ مستقل مدینہ تشریف لے آئیں اور یہیں مشرف فرمائیں مگر آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی حق تعالےٰ طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ آپ حکم الٰہی کے انتظار میں مکہ ہی میں قیام فرما رہے اور رات دن عبادتِ الٰہی میں لگے رہے۔ ادھر کفارِ مکہ بھی اپنی انتقامی کاروائیوں سے نہیں رُکتے تھے۔ جب آپ نماز پڑھتے تو سجدہ کی حالت میں آپ کو ستایا جاتا۔ آپ پر راستہ میں مٹی اور ڈھیلے پھینکے جاتے مگر آپ نہایت صبر و تحمل سے ان سب چیزوں کو برداشت فرماتے رہتے۔

کفّارِ مکہ کیطرف سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ اور ہجرت مدینہ منوّرہ کی اجازت

ایک روز کفارِ مکہ نے ایک جلسہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالو اور یہ قتل ایک شخص نہ کرے بلکہ پانچ قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی لے کر ان کے ذریعہ سے یہ قتل ہو تاکہ بنو ہاشم اگر انتقام اور بدلہ لینا چاہیں تو ان کے لیے مشکل ہو اور وہ مجبوراً دیت پر راضی ہو جائیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی ہوئی اور ساتھ ہی ہجرت کرنے کی اجازت بھی مل گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا دیا اور ان کو وہ تمام امانتیں حوالہ کر آئے جو مکہ کے لوگوں نے اپنی دشمنی کے باوجود آپ کے پاس رکھوا رکھی تھیں۔

یہ انتظام فرما کر رات کے وقت آپ گھر سے باہر نکلے چاروں طرف کافروں کا پہرہ تھا جو شام ہی سے آپ کے گھر پر آ گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مٹھی میں مٹی لے کر ان ذلیلوں پر پھینکی جس کی گردنے ان کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا۔ اسکے بعد آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے اور

ان کو اپنے ہمراہ لے کر غارِ ثور میں جا کر چھپ گئے اور تین شب وہیں مقیم رہے۔

ادھر صبح کو جب کفّار کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو طیش میں آ گئے اور چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کو گرفتار کر لائے گا بہت بڑا انعام پائے گا مگر چونکہ آپ اللہ کریم کی حفاظت اور نگہداشت میں تھے اس لیے بخیر و عافیت رہے اور کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکا۔ غارِ ثور میں تین شب قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں چار روز قبا میں قیام فرمایا۔ قبا مدینہ منورہ کے نزدیک ہی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ جمعہ کے دن بارہ ربیع الاوّل بمطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو آپ نے مدینہ منوّرہ میں نزول فرمایا۔

یہاں تک ہجرت اور مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات مثالاً ذکر دیئے کہ ان سب کا احصاء اپنی کم مائیگی کی بدولت نہ مجھ سے ممکن، نہ دیکھنے والوں کو اتنی فرصت۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

کثرتِ مشاغل کیساتھ یادِ الٰہی کا اہتمام

مدینہ منورہ کے قیام میں جب کہ نبی اکرم ﷺ کو انتظامی امور کی بھی دیکھ بھال کرنی ہوتی تھی، علوم و مسائل کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی، فقہ و حدیث بھی بہایا جاتا تھا جس کے حصول میں لوگوں نے اپنی عمریں خرچ کردیں اور پھر بھی تمام احادیث کے ذخیرہ کا اور تمام فقہ کا احاطہ نہ کرسکے، جہاد بھی ہوتا تھا اور دُنیا بھر کے سلاطین کے پاس وفود بھی بھیجے جاتے تھے۔ یہود مدینہ اور منافقین کی مخالفتیں بھی ہر وقت رہتی تھیں۔ اور وہ ہر کام میں روڑا اٹکانے میں لگے رہتے تھے۔ چونکہ آپس کے جھگڑے اور قصے بھی نمٹائے جاتے تھے۔ گھروں کی ضروریات بھی پوری فرمائی جاتی تھیں تو ان سب مشاغل کے باوجود نبی اکرم ﷺ کو یادِ الٰہی کا وقت اور خلوت کے لیے جنگل میں جانے کی فرصت مل جاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! آپ ان وادیوں کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحرا میں جانے کا ارادہ فرمایا تو ایک سرکش اونٹنی میرے پاس بھیجی اور کہلوایا کہ اس کو سواری کے واسطے تیار کرلو اور اس کیساتھ نرمی کرنا زیادہ سختی سے نہ پیش آنا۔ اس لیے کہ نرمی ہر چیز میں زینت پیدا کردیتی ہے۔

قیامِ مدینہ منورہ کے اہم واقعات

اب میں مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام کے چند واقعات سنہ وار پیش کرتا ہوں۔

اذان کی ابتداء ۱ھ

(۱) اس سال اسلام میں آذان کی ابتداء ہوئی مسلمان جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو ان کو نمازوں کی ادائیگی میں اوقات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی۔ صحابہ محض اندازہ سے مسجد میں جمع ہوجاتے تھے اور نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔ لیکن یہ دقت اور تکلیف روزمرہ کی تھی اس لیے صحابہ نے دربارِ نبوی سے اس کا مُستقل حل چاہا۔ خود نبی اکرم ﷺ بھی اس تکلیف کو محسوس فرماتے تھے۔ آخرکار تمام صحابہ نے ایک روز جمع ہوکر مشورہ کیا۔ اور نماز کے اوقات کی اطلاع بسہولت ملنے کے لیے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ ایک رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند جگہ پر کھڑا کردیا جائے اس کو دیکھ کر نماز کے لیے سب جمع ہوجایا کریں اس

کے علاوہ ناقوس، بگل اور سنکھ بجانے کی بھی رائے ہوئی۔ مگر یہ سب طریقے چونکہ دوسرے مذاہب میں بھی رائج تھے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو پسند نہ کیا اور فرمایا کہ ناقوس نصاریٰ کے یہاں رائج ہے۔ بگل یہود کے یہاں بجتا ہے اور ہم کفار کی مشابہت اختیار نہیں کرتے۔ الغرض بات ادھوری رہ گئی اور کوئی نتیجہ اس گفتگو سے نہ نکل سکا۔

اسی شب حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی غیبی فرشتہ نے اذان کے کلمات تعلیم فرمائے۔ وہ یہ خواب دیکھ کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یارسول اللہ میں کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا کسی نے مجھے یہ کلمات (جو اب اذان میں دھرائے جاتے ہیں تلقین کیے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مؤذن مقرر کیا جانا

(٢) آپ نے انھیں سُن کر حضرت بلال کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ کلمات کسی اُونچی جگہ کھڑے ہو کر دھراؤ۔ یہ کلمات جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سُنے تو انتہائی خوشی کے باعث اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ یارسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) یہی الفاظ بیس۲۰ دن قبل میں نے بھی کسی کہنے والے سے سُنے تھے مگر شرم کی وجہ سے عرض نہ کر سکا۔

اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب میں کلمات اذان سُننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دی تو یہ ان کی ان مشقتوں اور تکلیفوں کا بدلہ تھا جو انھوں نے ابتداءِ اسلام میں کفارِ مکہ کے ہاتھوں برداشت کی تھیں کہ مُشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور اس وقت بھی اَحَدٌ اَحَدٌ (یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کیا کرتے تھے اگرچہ اس حدیث پاک میں اس ترجیح کی وجہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلند آواز ہونا بتلایا گیا ہے مگر وہ میرے اس قول کے منافی نہیں۔

عاشورہ کا روزہ

(٣) اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی یومِ عاشورہ کا روزہ ابتداءً فرض ہوا مگر جب رمضان کے روزے امتِ مسلمہ کے حق میں فرض ہو گئے تو یہ یومِ عاشورہ کا روزہ صرف مستحب رہ گیا۔

(٤) اسی سال حضرت سلمان[1] فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلسلۂ اسلام میں داخل ہوئے جن کی قربانی اور جانفروشی کے واقعات مشہور ہیں۔

---

[1] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور تکالیف برداشت کرنے کا تفصیلی واقعہ خصائل نبوی شمائل شرح ترمذی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۵ اسی سال نبی اکرم ﷺ نے حضرت سودہ اور اپنی صاحبزادیوں کو مکہ سے مدینہ بلوالیا۔

۶ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ اسی سال قائم ہوا۔

۷ نیز اسی سال شوال کے مہینہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲ ھ

۱ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اسی سال ہوا۔ جہیز میں جو سامان حضرت فاطمہ کو ملا وہ یہ تھا۔ ایک پلنگ، دو چادریں، ایک تکیہ، دو بازو بند چاندی کے ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے۔

۲ ارکانِ اسلام میں سے دو اہم رکن، روزے اور زکوٰۃ نیز عیدین کی نماز، صدقۂ فطر کے احکامات یہ سب اسی سال نازل ہوئے۔

تحویل قبلہ کے حکم کا نزول

۳ مسلمان اب تک نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ امسال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کے لیے دائمی قبلہ بیت اللہ قرار دیا گیا۔

۴ عیدالاضحیٰ کی نماز سب سے اول اس سال حضور کی امامت کے ساتھ عید گاہ میں ہوئی۔

۵ مشہور لڑائی غزوۂ بدر جس میں مسلمان تین سو تیرہ (۳۱۳) اور کفار نو سو پچاس (۹۵۰) تھے وہ بھی اسی سال ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ یعنی نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں۔ ان کی خیر و خبر اور دیکھ بھال کے لیے حضور اکرم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکماً مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

جس دن نبی اکرم ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینے پہنچے اس سے ایک دن پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال کر چکی تھیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حضور ﷺ کے حکم سے روک دیئے گئے تھے اس لیے مال غنیمت میں برابر کے حصہ دار بنائے گئے۔

تضرع وزاری

اس غزوہ میں نبی اکرم ﷺ پر تضرع وزاری اور خدا کی بے پرواہ ذات کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس دُعا سے ہو سکتا ہے جو آپ نے میدانِ جنگ میں فرمائی اور ہاتھ دُعا کے لیے اتنے اُونچے اُٹھے کہ کندھے پر سے چادر گر گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی

لڑی جاری تھی اور فرما رہے تھے۔ "اے ربّ کریم اپنے وعدہ کو آج پورا فرما۔ آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ تجھ کو ایک سمجھنے والے یہی چند لوگ ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں۔ ان کی مدد آپ ہی کے ذمہ ہے اور اسلام کی عزت تیرے ہاتھ میں ہے لڑائی شروع ہوئی۔ بڑی گھمسان کی ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوْه" یعنی یہ منہ ذلیل ہوجائیں۔ خدا کی قدرت کہ اس مٹی کا اثر سارے کافروں پر ہوا کسی کافر کی آنکھ ایسی نہ رہی جس میں یہ مٹی نہ گری ہو۔ اس کے علاوہ اس لڑائی میں کھلی آنکھوں خدا کی مدد اور فرشتوں کی اعانت ہوئی۔

اللہ جل شانہٗ کی مدد کے واقعات

(۱) ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس لڑائی میں ایک کافر کا پیچھا کر رہا تھا۔ یکایک بہت زور سے کوڑا مارنے کی آواز سنائی دی اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا "اے حیزوم ہاں آگے بڑھ" کہنے والا تو نظر نہ آیا مگر جس کافر کا میں پیچھا کر رہا تھا اس کو اپنے آگے مرا ہوا پایا۔ اس کی ناک پھٹ چکی تھی۔ اور کوڑے کی چوٹ سے نیلی پڑ گئی تھی۔

ایسے ہی حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس صحابی نے گرفتار کیا وہ بہت کمزور اور لاغر آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے عباس جیسے پہلوان اور مضبوط آدمی کو کیسے گرفتار کر لیا تو فرمایا کہ اس وقت میری ایک ایسے آدمی نے مدد کی جس کو نہ اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد پھر کبھی دیکھا۔

اتنی بڑی معرکتہ الآرا لڑائی ہوئی لیکن خدا کی مدد شامل حال تھی۔ اس لیے پانچ مہاجر اور آٹھ انصار مسلمان شہید ہوئے جن کو انھی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کافروں کی لاشیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ چوتھے دن آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اب تو تم تمنا کرتے ہو گے کہ ہائے کاش اللہ و رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کر لیتے۔ اللہ کا ہم سے وعدہ تھا اس کو ہم نے ٹھیک پالیا۔ تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟ اس کے بعد آپ بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۳ ھ

(۱) اس سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا۔ یہی وہ سب سے پہلے صحابی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں سب سے پہلے انھی کا انتقال ہوا۔

(۲) اسی سال ماہِ رمضان میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

غزوۂ اُحد

(۳) غزوۂ احد اسی سال ہوا جس میں مسلمانوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) اور کافروں کی تین ہزار (۳۰۰۰) تھی۔ نبی اکرم ﷺ اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چل کر جبل احد کے لیے روانہ ہوئے۔

لڑائی کے مقام پر پہنچ کر آپ نے صف بندی فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر مقرر کیے گئے تھے۔ فوج کے پیچھے پہاڑی درہ کے قریب بٹھا دیئے گئے تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

نبی کریم ﷺ نے اس جماعت کو ہدایت فرمائی کہ خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام مگر تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ لڑائی پوری شدت کے ساتھ ہوئی۔ میدان صحابہ کے ہاتھ رہا۔

شکست کھانے کے بعد جب کفار ہر چہار جانب منتشر ہو گئے اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا تو مال غنیمت پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کیا۔ وہ تیر انداز دستہ یہ سوچ کر کہ نبی اکرم ﷺ کا حکم پہاڑی درّہ میں قیام کا صرف لڑائی تک تھا جو اب ختم ہو چکی ہے۔ نیچے اُتر آئے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے بھی ان کا کہنا نہ مانا، چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے فوج کو اپنے ساتھ لے کر اسی درّہ میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کر دیا۔

اس حملہ کی مسلمان تاب نہ لا سکے ستّر صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ کافروں کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح نبی اکرم ﷺ پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ کے مارا جس کی بنا پر آپ کا نیچے کا دانت اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہوا، جس سے خون بہنے لگا۔ ابن قمیہ نے تلوار سے ایسا حملہ کیا کہ نبی کریم ﷺ اس کی تاب نہ لا سکے۔ بدن مبارک پر چونکہ دو زرّہ کا بوجھ بھی تھا اس لیے آپ ایک غار میں گر گئے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ زخمی ہو جانے کی وجہ سے چہرۂ مبارک خون آلودہ ہو گیا۔ چونکہ خون برابر بہہ رہا تھا۔ اس لیے آپ کمزور اور نڈھال ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور آپ کے چہرہ سے خون دھو رہے تھے۔ لیکن جب وہ خون کسی طرح بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریہ کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا تاکہ خون رک جائے۔ کفار کے اس حملہ کی وجہ سے مسلمان تتر بتر ہو گئے۔

بڑے بڑے صحابہ جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت طلحہ رضوان اللہ علیہم تو اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہے لیکن بقیہ صحابہ دو طرفہ حملہ کی تاب نہ لاکر ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت حمزہ نے مسلمانوں کو للکارا اور ان کو جمع کرکے یکبارگی کافروں پر حملہ کرنے کا جوش دلایا۔ چنانچہ صحابہ فوراً رک گئے۔ اور پھر کافروں سے قتال میں مشغول ہوگئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں کے حوصلے پست ہوگئے اور ہمتیں کمزور ہوگئیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس لڑائی میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی درجۂ شہادت کو پہنچے کہ ایک حبشی غلام وحشی نے اپنی تلوار پوری شدت کے ساتھ آپ کی ناف میں اس زور سے ماری کہ آپ کا سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو چار قدم چل کر گر پڑے اور انتقال فرما گئے۔ ہندہ بن عتبہ کو جب اسکی خبر ملی تو دوڑی ہوئی آئی اور نعش مبارک پر بیٹھ کر ناک، کان کاٹ لیے، پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر بولی کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی ہے کہ باپ کے قاتل کا خون پیا۔

لڑائی کے متعلق یہ تمام خبریں مدینہ طیبہ میں پہنچ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کی عورتوں ضعیف مردوں میں ایک طرح کا خوف پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی خیریت کا منتظر تھا۔ چنانچہ ۱۵ شوال ۳ھ کو آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مرد اور عورتیں آپکی تشریف آوری کی مسرت میں اپنے شہداء کا غم بھول گئیں۔ حالانکہ ان شہید ہونے والوں میں ان کے بھائی بھی تھے، شوہر بھی تھے اور جوان اولاد بھی تھی۔

۴ھ اس سال حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ (۲) بیر معونہ کا دل دوز واقعہ اسی سال پیش آیا۔ جس میں ستر صحابہ جو سب کے سب حافظ قرآن تھے شہید کیے گئے صرف حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بچ سکے۔ جو بعد میں آزاد ہوکر مدینہ پہنچ گئے۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نجد کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتا ہوں اور اسلام لانے کا خواہشمند ہوں مگر اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ میرے ساتھ برا معاملہ نہ کریں۔ لہٰذا آپ چند سمجھدار صحابہ کو میرے ہمراہ بھیج دیں تاکہ میں ان کو اپنی قوم میں لے جاؤں اور وہاں جاکر یہ لوگ وعظ و تبلیغ کریں اور اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ کوئی آدمی ان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ستر صحابہ پر امیر بنا کر اس مقصد کے لیے اس کے

ساتھ روانہ کر دیا اور ساتھ ایک خط نجد کے رؤسا اور با اثر لوگوں کو لکھ دیا جس میں اسلام کی ترغیب اور دعوت تھی۔ یہ حضرات روانہ ہو کر مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر ٹھہر گئے جس کا نام بیر معونہ ہے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دو ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھ گئے۔ تاکہ عامر بن طفیل کو نبی اکرم ﷺ کا مکتوب پہنچا دیں۔ جب یہ تینوں حضرات اس کے نزدیک پہنچے تو حضرت حرام بن ملحان نے فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ۔ پہلے میں جا کر دیکھتا ہوں اگر مجھ کو امان مل گئی تو تم بھی میرے پاس آجانا ورنہ واپس لوٹ جانا تینوں مارے جانے سے بہتر یہ ہے کہ میں اکیلا ہی مارا جاؤں۔

یہ بات طے کر کے حضرت حرام آگے بڑھے اور پکار کر فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کا قاصد ہوں اگر مجھے امان دی جائے تو حضور کا پیغام پہنچا دوں۔ ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آکر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام صرف اتنا فرما کر فزت ورب الکعبہ (یعنی "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا") زمین پر گر گئے اور انتقال کر گئے۔ اس کے بعد کفار باقی صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم شہید ہو گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو ہجرت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ شہید ہونے کے بعد ان کو یہ اعزاز ملا کہ ان کی نعش فرشتے آسمان کی جانب اٹھا کر لے گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع جب نبی اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ کو انتہائی رنج ہوا اور ہر چند کہ آپ کی عادت مبارکہ کسی کو بد دعا دینے کی نہ تھی مگر آپ نے اکیس ۲۱ روز تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ جس میں ان کافروں کے حق میں بد دعا کی گئی تھی۔

غزوۂ بنو نضیر اور یہود کی بد عہدی

غزوۂ بنو نضیر بھی اسی سال ہوا جس کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ یہود کی سرشت اور فطرت میں ہمیشہ سے دغا بازی اور مکاری رہی ہے اور یہ غزوہ بھی ان کی مکاری کی وجہ سے پیش آیا کہ ان بد نصیبوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضوان اللہ علیہم کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان حضرات کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیں مگر آپ کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

چونکہ ان یہودیوں نے اپنا وعدہ اور معاہدہ خود ہی توڑ دیا تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لا کر ان کو کہلا بھیجا کہ "یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ"۔ مگر یہ بد نصیب

عبداللہ بن اُبی اور دُوسرے منافقوں کی مدد، امداد پر اپنے پر بھروسہ کئے ہوئے تھے۔ اس لیے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن موقعہ پر کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔

نبی کریم ﷺ نے ربیع الاوّل ۴ھ میں ان کا محاصرہ فرمایا اور چھ روز تک ان کی نگرانی فرمائی آپ کے حکم سے ان کے باغات اور جائیدادیں نذر آتش کردی گئیں۔ ان حالات کو دیکھ کر یہود پریشان ہوگئے اور جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو صلح کی درخواست بھیجی آپ نے اس کو منظور فرمالیا اور ان کو انتہائی رعایت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اسباب منقولہ جتنا لے جاسکتے ہو مع اپنے اہل و عیال اور رشتہ داروں کے لے جاؤ البتہ ہتھیار جسقدر ہوں وہ سب چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ سے نکل گئے اور چلتے ہوئے اپنے مکانات صرف اس وجہ سے توڑ گئے کہ ان میں مسلمان نہ رہ سکیں۔ مکانوں کے کواڑ چھتوں کی کڑیاں تک نکال کر لے گئے اور خیبر میں جا بسے۔

۴ اسی محاصرہ کے دَوران شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

۵ اسی سال شوال کے مہینہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

۶ اسی سال نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سے آٹھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

غزوہ ذات الرقاع ۵ھ

۱ اس سال ماہ محرم میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس لڑائی میں صحابہ کرام اپنی غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں بھی تھے۔ اور بغیر سواریوں کے بھی تھے۔ پیدل چلتے چلتے پیروں میں زخم اور چھالے پڑ گئے تھے۔ زخموں کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے صحابہ کرام نے اپنے پیروں پر کپڑوں کے ٹکڑے (چیتھڑے) باندھ رکھے تھے اسی بناء پر اس کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ یعنی چیتھڑوں والی لڑائی۔

اس غزوہ سے واپس آتے وقت دوپہر ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک جنگل میں قیام کیا اور سب صحابہ تھوڑی دیر آرام حاصل کرنے کی نیت سے اِدھر اُدھر سو رہے۔ خود نبی کریم ﷺ بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے آرام فرمانے کی غرض سے لیٹ گئے اور تلوار درخت میں لٹکا دی دفعتہً آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اور کہتا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت تمہاری جان بچائے۔ اس کے اس حال میں ہونے کا آپ پر ذرا اثر نہ ہوا۔ اور پورے اطمینان سے جواب دیا کہ "اللہ کریم بچائے گا"۔ یہ جواب سُننا تھا کہ اس کافر کے ہاتھ سے

تلوار چھوٹ گئی اور بدن کپکپا اٹھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بڑے اطمینان سے وہ تلوار زمین سے اٹھائی اور فرمایا "اب بتلا اس وقت تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا"۔ اس نے کہا "کوئی بھی نہیں"۔ آپ نے فرمایا رحم کرنا مجھ سے سیکھ اور یہ فرما کر تلوار نیچے کرلی۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہوگیا۔

(۲) نیز اسی ہجرت کے پانچویں سال صلوٰۃ خوف مشروع ہوئی۔

(۳) نبی کریم ﷺ کا گھوڑے پر سے گر جانا اور تکلیف کی وجہ سے پانچ یوم مشربہ (دوچھتی) میں قیام فرمانا تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

(۴) اسی سال نبی اکرم ﷺ نے حضرت جویریہ (جو غزوہ بنی المصطلق میں قید ہوکر آئی تھیں) کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔

واقعہ افک

منافقین کی جانب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام اسی سال لگایا گیا۔ جو تاریخ و سیر میں قصہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ اجمالی واقعہ اس کا یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ غزوہ مریسیع کے لیے روانہ ہورہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں۔ غزوہ سے واپسی پر اسلامی لشکر نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ وہاں پہنچ کر حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے جنگل چلی گئیں۔ جہاں ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر راستہ میں گم ہوگیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کے گرنے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ جب اپنے خیمہ میں پہنچ گئیں اور اتفاقی طور سے گلے پر ہاتھ پڑا تو پتہ چلا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی تلاش میں فوراً جنگل کی طرف روانہ ہوگئیں تلاش میں دیر لگی آکر دیکھا تو قافلہ کوچ کرچکا تھا۔ اور چونکہ خود ہلکی پھلکی تھیں اس لیے ان کا ہودج (سواری) اٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ یہ خالی اٹھایا جارہا ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھ گئیں اور اپنا بدن کپڑے سے چھپا کر سوگئیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرما رکھا تھا کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کریں تاکہ اگر کوئی چیز کوچ کرنے کے بعد ملے تو یہ اسے اٹھا کر مالک تک پہنچا دیں حضرت صفوان نے جب دیکھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگل بیابان میں تنہا ہیں تو پریشان ہوگئے۔ اور بلند آواز سے اِنّا لِلّٰہ پڑھی۔ آواز سن کر حضرت عائشہ بیدار ہوگئیں دیکھا تو حضرت صفوان تھے فوراً اپنا منہ چھپا لیا کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوچکا تھا۔ حضرت صفوان حرم محترم کی انتہائی عزت کی بناء پر اونٹنی سے اتر گئے اور مہار پکڑ کر اونٹنی بٹھا دی، حضرت عائشہ صدیقہ

اس پر سوار ہو گئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق جو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نہ کوئی بات چیت ہوئی نہ گفتگو اور دوپہر سے پہلے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

واقعہ صرف اتنا ہی تھا اور بالکل بے غبار تھا لیکن منافقین کو بہانہ مل گیا اور انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متہم کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر دی۔ اس واقعہ میں تین مسلمان صحابی جن کے مخلص ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا بھی مبتلا ہو گئے۔ دو مرد حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما اور ایک عورت حمنہ بنت جحش۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی لیکن نبی اکرم ﷺ کے علم میں چونکہ یہ بات آ چکی تھی اس لیے آپ بہت غمگین اور افسردہ تھے۔ مختلف صحابہ سے آپ ﷺ نے دریافت کیا اور مشورے لیے۔ سب نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر زور دیا۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت حریرہ رضی اللہ عنہا نے بڑے زور سے صفائی پیش کی لیکن حضور ﷺ پر اس بدشہرت کا اتنا اثر تھا کہ آپ کا دل صاف نہ ہوا۔ ادھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بخار کے ساتھ ساتھ اس غم میں گھلی جا رہی تھیں کہ آپ ﷺ کی وہ محبت اور الفت کیوں یکدم ختم ہو گئی۔

ان ایام میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جب طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اپنی (جو حضرت مسطح کی والدہ تھیں) کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے جنگل گئیں۔ راستہ میں سہیلی نے اس قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا اور مدینہ کے گلی کوچہ میں جو طوفان آیا ہوا تھا اس سے خبردار کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ سے بڑی متاثر ہوئیں کچھ تو اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی بہت کمزور تھیں۔ اس واقعہ نے طبیعت پر بہت برا اثر ڈالا۔ بخار اور شدت سے چڑھ گیا۔ گھر میں آکر لیٹ گئیں۔ آنسوؤں کا ایسا دریا بہہ رہا تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ جب مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر پہنچ گئیں اور اپنی والدہ سے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اماں جان نے تسلی دی۔ اطمینان دلایا مگر جو دل صدمہ سے پاش پاش ہو چکا تھا اس کو کچھ ڈھارس نہ بندھی اپنے میکہ پہنچ کر ایک دن دو رات مسلسل روتے گذریں۔ نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ”اے عائشہ اگر تم پاکدامن ہو تو حق تعالیٰ یقیناً تمھارا بے قصور ہونا ثابت کر دے گا اور اگر تم سے

غلطی ہوگئی تو توبہ کرلو۔ حق تعالیٰ معاف کردے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اس بات کا جواب دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے کیا معلوم؟ میں کیا جواب دوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اماں جان سے درخواست کی کہ تم حضور ﷺ کی بات کا جواب دو، مگر انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک نوعمر بچی تھی۔ قرآن پاک بھی اچھی طرح یاد نہیں اسلئے میں نے کہا میرے متعلق جو بہتان ہے وہ چونکہ تمھارے دل میں بیٹھ گیا۔ اگر میں اپنی صفائی بھی پیش کروں گی تو تم میں سے کسی کو یقین نہیں آئے گا۔ اب سوائے اس کے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کی طرح یہ کہہ دوں کہ "فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون" یعنی صبر ہی کرنا بہتر ہے تمھاری بنی بنائی باتوں پر اللہ ہی سے مدد لینی چاہیئے۔

رنج و غصہ اور جوش کے ملے جلے جذبات کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا۔ اور "یوسف علیہ السلام کے باپ سے" تعبیر فرمایا۔ یہ فرما کر شدّتِ رنج سے آنسو بھی خشک ہوگئے۔

یہ بات چیت چل رہی تھی سارا گھرانہ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھا اتنے میں آپ پر وحی کے آثار شروع ہوئے (کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان بے نیازی سے اس سلسلہ میں ایک ماہ تک وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس ایک ماہ میں نبی اکرم ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کیا گذری ہوگی) پیشانی مبارک پر پسینہ آگیا جو وحی آنے کی ایک بڑی علامت تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سُورۂ نُور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات میں حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا بری ہونا، پاک ہونا، عفت مآب ہونا بڑے زور و شور سے بتلایا گیا تھا۔

جب وحی کے آثار ختم ہوگئے تو نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا لو عائشہ تمھاری برأت کا پروانہ آگیا۔ جس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے منبر پر جاکر ایک وعظ فرمایا اور قرآن کی یہ آیات (جو حضرت عائشہ کی برأت کے لیے نازل ہوئی تھیں) مجمع کو سُنائیں اور شریعت کے حکم کے مطابق جھوٹی تہمت لگانے والوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے۔

غزوۂ خندق

(۶) غزوۂ خندق اسی سال ہوا اور چونکہ یہ لڑائی صحابہ کرام حضرات اور خود نبی اکرم ﷺ نے خندق کھود کر لڑی تھی۔ اس لیے غزوۂ خندق ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خندق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے کھودی گئی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ اور

نبی اکرم ﷺ کا ایک معجزہ کھانے میں برکت اور وسعت کا اسی کھدائی کے دوران پیش آیا۔ وہ یہ کہ خندق کھودنے کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مصروفِ عمل تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے تو چپکے سے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ اس لیے جو کچھ گھر میں ہو اس کو تیار کرلو۔ چنانچہ فوراً ایک پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیری گئی اور جَو کا آٹا جو تین سیر سے کچھ زائد تھا گوندھا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے تھوڑا سا کھانا آپ کے لیے تیار کروایا ہے جناب کے ہمراہ ایک دو ساتھی بھی چلیں۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کھانے کی مقدار کتنی ہے انھوں نے مقدار بھی بتلا دی۔ آپ نے فرمایا عمدہ ہے اور بہت ہے۔ یہ کہہ کر تمام اہلِ خندق سے فرمایا کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمھاری دعوت کی ہے سب چلو اور حضرت جابر سے فرمایا کہ میرے آنے تک ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا اور میرے آنے تک روٹی نہ پکائی جائے۔ نبی کریم ﷺ سب کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لپک کر اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ حضور تو پورے لشکر کو ساتھ لے کر آرہے ہیں۔ وہ پریشان ہو کر کہنے لگیں کہ مجھے سب کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ کیونکہ کھانا بہت تھوڑا ہے پھر کہنے لگیں کیا حضور نے کھانے کی مقدار دریافت کرلی تھی؟ حضرت جابر نے فرمایا کہ ہاں حضور کو اس کھانے کی مقدار بتلا دی گئی تھی۔ اس پر ان کی اہلیہ مطمئن ہوگئیں کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔

تھوڑی دیر بعد نبی اکرم ﷺ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ سالن اور آٹے پر دم کیا اور فرمایا پکانے والی کو بلاؤ۔ روٹی تیار ہوتی رہی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو پیالوں میں کھلانا شروع کیا گیا۔ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا کہ بھیڑ مت کرنا اطمینان سے کھانا۔

یہ حضور اقدس ﷺ کا معجزہ تھا کہ ایک ہزار مہمان اطمینان سے فارغ ہوگئے اور کھانا بچ رہا۔ یہ بچا ہوا کھانا حضور ﷺ کے حکم سے حضرت جابر کے گھر والوں اور ان کے پڑوسیوں نے کھایا نبی اکرم ﷺ کے اس قسم کے معجزات کھانے میں برکت اور پانی وغیرہ میں وسعت کے بکثرت ہیں۔

صُلحِ حُدَیبیہ

۶ھ

(۱) سورج گہن اور نمازِ کسوف کی مشروعیت اسی سال ہوئی۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو کامل چھ سال ایسے گذر گئے کہ اس میں نہ ہی انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی، حج کیا اور نہ ہی اپنے وطن اصلی مکہ مکرمہ کو دیکھ سکے۔ خود حضور اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ مکہ معظمہ جاکر خانہ کعبہ کی زیارت کریں، حج وطواف کریں۔ اسی دوران نبی اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا یہ خواب سُن کر تمام صحابہ زیارت خانہ کعبہ کیلئے تیار ہو گئے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ صحابہ کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ ہوا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بسر بن ابی سفیان کو اہلِ مکہ کے حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا جو تحقیق واقعہ کے بعد آپ سے عسفان میں ملے اور فرمایا کہ کفارِ مکہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ حضرات مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ نبی اکرم ﷺ نے عسفان ہی میں صحابہ سے فرمایا کہ خالد بن ولید وادی غمیم میں تمھارے حالات کی خبر لینے آئے ہیں۔ لہٰذا اپنا راستہ بدل دو۔ اور فرمایا کوئی ہے جو کسی دوسرے راستہ سے ہم کو لے جائے۔

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے فرمایا "میں لے جاؤں گا"۔ چنانچہ وہ آپ کو مع صحابہ کے نہایت دشوار گذار گھاٹیوں میں سے لے کر چلے۔ آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سب نستغفر اللہ ونتوب الیہ (ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں) پڑھیں صحابہ نے ان کلمات کو دہرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کلمات بنی اسرائیل پر پیش کیے گئے مگر انھوں نے نہیں پڑھے۔ اس کے بعد آپ نے داہنی طرف چلنے کا حکم فرمایا۔ اسی موقعہ پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مکہ گئے ہوئے ہیں ان کے مکانوں پر حملہ کیا جائے تاکہ وہ یہ خبر سُن کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے مکہ چلیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ لڑائی کا ارادہ نہیں ہے۔ اس لیے آگے بڑھیں۔ اگر وہ ہمیں روکیں گے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ تجویز پسند فرمالی اور آگے بڑھ کر منزل بمنزل حُدیبیہ پہنچے۔

وہاں پہنچ کر بدیل بن ورقا ایک جماعت کے ساتھ آئے اور کہنے لگے کہ مکہ والے آپ سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے یہ سُن کر آپ نے انھی (بدیل بن ورقا) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا ہرگز نہیں ہے ہم تو صرف خانہ کعبہ کا طواف اور اسکی زیارت کے لیے آئے ہیں لہٰذا ہمیں عمرہ کرنے سے نہ روکو مگر کفار نہ مانے۔

آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستقل سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ سرداران مکہ سے گفتگو فرما کر مصالحت کرلیں مگر قریش نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور صاف کہہ دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہم اتنے جان میں جان ہے مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو تم طواف وعمرہ کرسکتے ہو۔ مگر حضرت عثمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف وعمرہ سے انکار کردیا۔ یہ بات چیت کافی دیر تک ہوتی رہی اس لیے مسلمان متفکر ہوئے۔ ادھر لشکر اسلام میں حضرت عثمان کے شہید ہوجانے کی خبر پھیل گئی جس سے سب کو تفکر ہوا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خبر سے غمگین تھے۔

چنانچہ آپ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہ سے اس پر عہد وپیمان لیے کہ جب تک دم میں دم ہے کافروں سے لڑیں گے۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔

بیعت الرضوان

جب کافروں نے اس بیعت کا قصہ سُنا تو بوکھلا گئے۔ اور ایک قاصد کو بھیج کر مصالحت کی گفتگو شروع کردی۔ آپ نے ان کی ہر شرط کو قبول فرمایا اگرچہ ان میں سے بعض شرطیں اتنی سخت تھیں کہ مسلمان ان کو کسی بھی طرح ماننے کو تیار نہ تھے۔ اسی کیساتھ کفارِ مکہ نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی بھی خوب دکھلائی جس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ صلحنامہ میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھے جانے پر انھوں نے انکار کردیا اور کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے لہٰذا قومی دستور کے مطابق بسمک اللھم لکھو۔ مسلمانوں کی طرف سے بسم اللہ لکھنے پر اصرار تھا مگر آپ نے کفار کی یہ بات بھی منظور فرمالی۔

معاہدہ کی ابتداء ان الفاظ سے تھی۔ **ھذا ما قاض علیہ محمد رّسول اللہ**۔ یعنی یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معاہدہ ہوا ہے اس پر سہیل (جو کفار کی طرف سے معاہدہ لکھ رہے تھے (بولے) اگر ہم تمھیں رسول اللہ مان لیتے تو جھگڑا ہی کیوں ہوتا ہم ہرگز رسول اللہ تم کو نہیں لکھنے دیں گے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھو۔ آپ نے فرمایا بخدا میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم جتنا جھٹلاؤ یہ فرما کر کاتب معاہدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی لفظ رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی نے فرمایا میں آپ کا نام مبارک نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ آپ نے خود اس جملہ کو کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ الغرض صلحنامہ مرتب ہونے تک یہ اس طرح جھگڑتے رہے۔ آخر کار صلحنامہ مرتب ہوا جس میں منجملہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں بھی تھیں۔

شرائط صلح

(۱) اس سال مسلمان بلا عمرہ کیئے ہوئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال تین

دن کے لیے آئیں۔

۲ دس سال تک لڑائی بالکل موقوف کر دی جائے۔

۳ قریش کا کوئی بھی آدمی اگر مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ جائے تو اسے فوراً واپس کر دیا جائے اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو ہم اس کو واپس مدینہ منورہ نہ بھیجیں گے۔ ظاہر ہے کہ تمام شرطیں یکطرفہ تھیں۔ تمام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان شرائط پر بڑا طیش آرہا تھا۔

چنانچہ حضرت عمر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نبی نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا ہم حق پر اور یہ کفار باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی ذلت کیوں برداشت کریں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ میرا مددگار ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ عرض کیا آپ نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جا کر طواف کریں گے؟ فرمایا ضرور کیا تھا مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ عرض کیا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا عمر میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ تو مکہ جائے گا اور طواف کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکر کے پاس پہنچے اور یہی گفتگو وہاں جا کر کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی وہی جوابات لفظ بلفظ تھے جو حضور نے کہے۔ آخر میں حضرت ابو بکر نے فرمایا۔ او آدمی یہ اللہ کے رسول ہیں ان کی رکاب کو مضبوط پکڑو۔

اس قسم کے واقعات کی بنا پر یہ ناکارہ اپنے اسباق میں کہا کرتا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت اتحادی حاصل تھی۔

اس صلحنامہ کی تکمیل فریقین کے دستخطوں کے ساتھ مکمل کر لی گئی۔

نبی کریم ﷺ مع حضرات صحابہ کرام بغیر طواف وعمرہ کیے واپس تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ خواب بیشک سچا خواب تھا جس کی تعبیر پوری ہوئی لیکن چونکہ خود خواب میں وقت اور سال کی تعیین نہیں کی گئی تھی اسلئے نہ ہی اس خواب کا اس مرتبہ پورا ہونا ضروری تھا اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کے خواب پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ اس صلح کے موقعہ پہ بہت سے واقعات پیش آئے لیکن دو واقعے بطور خاص تحریر کرتا ہوں جس سے نبی اکرم ﷺ کا اپنے معاہدہ کا نبھانا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جانفروشی اچھی طرح کھل کر سامنے آتی ہے۔

حضرت ابو جندل کا واقعہ

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح

کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ انکے باپ سہیل نے جو اس صلحنامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلحنامہ مرتب بھی نہیں ہوا۔ اس لیے ابھی پابندی کس بات کی۔ مگر انھوں نے اصرار کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانے۔ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا اب واپس کیا جا رہا ہوں۔

اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے واپس ہوئے حضور اکرم ﷺ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہٗ تمھارے لیے راستہ نکالیں گے۔

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

(ب) صلحنامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ کفار نے ان کو واپس بلانے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور اکرم ﷺ نے حسب وعدہ واپس فرمادیا۔ ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض بھی کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہو کر آیا آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔ آپ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمھارے واسطے راستہ کھلے گا۔

یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا ہے یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالہ کردی۔ انھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو مر چکا ہے اب میرا نمبر ہے! اس کے بعد ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کردیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں۔ اس لیے میں نے یہ کیا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش کوئی اس کا معین مددگار ہوتا۔ وہ اس کلام

سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لیے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آ پڑے۔

مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جن کا قصہ پہلے گذرا چھپ کر وہیں پہنچ گئے۔ اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی جنگل میں جہاں نہ کھانے کا انتظام نہ وہاں کوئی باغات اور آبادیاں، اس لیے ان لوگوں پر جو گذری ہو گی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے۔ ان کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ ادھر کو جاتا اس کا مقابلہ کرتے اور لڑتے۔

حتیٰ کہ کفار مکہ نے پریشان ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سری جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لیے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا ہے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

غزوۂ خیبر ۷ھ

(۱) جو یہود مدینہ منورہ سے جلاوطن کیے گئے تھے وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے غزوۂ خیبر اسی سال ہوا۔ جس میں ۲۰ یا ۲۱ محرم الحرام کو ایک ہزار چار سو[1] مسلح صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا اور خوب کھل کر لڑائی ہوئی۔ جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تو یہود نے اپنی جانوں سے مایوس ہو کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کی درخواست کی اور کہا کہ تم لوگ کھیتی باڑی سے واقف نہیں ہو اور ہم لوگ اس سے واقف ہیں۔ لہٰذا تم اگر اپنی ماتحتی میں ہمیں بطور مضاربت کے رکھ لو تو احسان ہو گا۔ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور اس طرح ان کی جانوں کو امان مل گئی۔

(۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو حیی بن[2] اخطب کی بیٹی اور حضرت ھارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اسی غزوۂ خیبر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔

---

[1] الصواب حیی والمکتوب غلط

(۳) اسی سال متعہ کی حرمت نازل ہوئی۔

(۴) گدھے کا گوشت اور تمام درندوں کا گوشت حرام کر دیا گیا۔

(۵) حضرت عائشہ کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔

عمرۃ القضاء

(۶) سال گذشتہ (۶ھ) کے صلحنامہ کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اکیس سو صحابہ کے ہمراہ عمرۃ قضا پورا کرنے کی نیت سے مکہ معظمہ کا رُخ کیا اور وعدہ کے مطابق تین دن قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لیئے روانہ ہوئے۔

(۷) اسی سفر میں مکہ مکرمہ جاتے ہوئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کا نکاح ہوا۔ آپ کا ارادہ مکہ ہی میں رہ کر رخصتی اور دعوتِ ولیمہ کا تھا تاکہ کفار مکہ بھی اس میں مدعو ہوں۔ مگر ان بدنصیبوں نے اس دعوتِ عظمیٰ کی بھی قدر نہ کی۔ اور صاف انکار کرتے ہوئے کہنے لگے یہاں سے چلے جاؤ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور واپسی میں موضع سَرِف میں رخصتی ہوئی اور اسی جگہ ولیمہ ہوا۔

قدرت کے کرشمے ہیں کہ جس جگہ نکاح ہوا اسی جگہ واپسی میں رخصتی ہوئی اور جس مقام پر رخصتی کا خیمہ لگا ہوا تھا ٹھیک اسی جگہ پر ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔

یہودیہ کا زہر ملا گوشت کھلانا

(۸) اسی سال خیبر کی صلح کے بعد ایک یہودیہ نے بکری کا گوشت پکا کر اس میں زہر ملایا اور حضور اکرم ﷺ کو ہدیۃً بھیجا۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے اس کو قبول فرمایا اور کھانا شروع فرمایا۔ لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے اس گوشت کو قوتِ گویائی مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ مجھ کو نہ کھائیے میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے لقمہ فوراً ڈال دیا اور صحابہ سے صورتِ حال بیان کی۔ آپ کے علاوہ ایک صحابی نے بھی اس زہر آلود گوشت میں سے کچھ کھایا تھا۔ اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔

خود نبی کریم ﷺ پر بھی اس زہر آلود گوشت کا اثر عمر بھر رہا۔ اور وصال کے وقت اس کی سمیت نے زور دکھلایا۔ چنانچہ مرض وفات میں آپ نے فرمایا، اے عائشہ غزوۂ خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر میں اب تک اپنے بدن میں پا رہا ہوں اور اس وقت میں اپنی رگِ جان کو اس زہر کی وجہ سے کٹتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔

یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے فضائل میں سے ہے کہ آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا فرما دیا گیا۔

۸ھ

(۱) حضور اقدس ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم (جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے) اسی سال پیدا ہوئے۔

غزوۂ موتہ

(۲) صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اس سال جمادی الاول کے مہینہ میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے جہاد کیا جو غزوۂ موتہ[1] کے نام سے مشہور ہے یہ غزوہ نبی اکرم ﷺ کے ایک قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دینے کی وجہ سے پیش آیا دُشمن کی فوج ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ اور مسلمان صرف تین ہزار تھے کوئی بھی تناسب نہ تھا۔ اس لیے مسلمان یک گونہ پریشان تھے بعض حضرات کا خیال تھا کہ چندے انتظار کر کے مدینہ منورہ سے مزید فوج طلب کی جائے مگر صحابہ کی اکثریت نے تاخیر نامناسب سمجھتے ہوئے خدا کی مدد اور نصرتوں کو دل میں جما کر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس لڑائی میں نبی اکرم ﷺ نے جھنڈا حضرت زید کو مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر کو امیر بنا لینا۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر بنا لینا اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو موقعہ پر مسلمان جس کو بھی چاہیں امیر بنا لیں۔ ایک یہودی آپ کی یہ گفتگو سن رہا تھا کہنے لگا یہ تینوں حضرات تو یقیناً شہید ہوں گے۔ کیونکہ پہلے زمانے کے انبیاء بھی جب اس قسم کی گفتگو فرماتے تھے تو اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور واقع ہوگی۔

چنانچہ یہ سارے حضرات شہید ہوئے اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آگیا بس پھر کیا تھا رومی فوج میں ایک زلزلہ آگیا حضرت خالد نے نو تلواریں یکے بعد دیگرے بدلیں۔ کیونکہ ہر تلوار کشت و خون کی کثرت کی وجہ سے ناقابل استعمال ہو گئی تھی۔ بالآخر روم کی فوج نے شکست کھائی اور اسلامی لشکر خیر و عافیت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ اس لڑائی میں صرف بارہ ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

منبر نبوی کی ابتداء

(۳) جب سے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی اس وقت سے لے کر اب تک اس میں کوئی منبر نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ ہموار زمین پر کھڑے ہو کر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام سامعین تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی اسی سال ایک انصاریہ عورت نے درخواست کی میرا غلام نجار اس کام کو بہت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے

---

[1] موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں ہے۔

اگر اجازت ہو تو ایک منبر بنواؤں۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ بنوا لیا جائے۔ ضرورت کی چیز ہے۔

چنانچہ آپ کی اجازت مل جانے پر انصاریہ نے اپنے غلام میمون سے منبر بنوایا۔ جس کی لکڑی غابہ[1] مقام سے لائی گئی تھی۔ منبر تیار ہونے پر جب آپ سابق جگہ سے منتقل ہو کر منبر پر تشریف لائے تو وہ کھجور کا تنا (جس پر آپ منبر بننے سے پہلے سہارا لگایا کرتے تھے) جدائی کی تاب نہ لاسکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسکی یہ گریہ وزاری دیکھ کر آپ منبر سے تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس وقت وہ تنا ایسی طرح ہچکیاں لے کر رو رہا تھا جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ کر ہچکیاں لیتا ہے۔

صاحب احیاء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ایک کھجور کا تنا جس پر آپ سہارا لگا کر منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رونے لگا یہاں تک کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس سے اسے سکون ہوا۔ یا رسول اللہ آپ کی امت آپ کے فراق میں رونے کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس تنے کے۔

فتح مکہ

(۴) ۱۰ رمضان المبارک کو نبی اکرم ﷺ دس ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ فتح کرنے کی نیت سے تشریف لے چلے۔ راستہ میں دو ہزار آدمی مزید فوج میں داخل ہوئے۔ اب گویا اس لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ابو سفیان، بُدیل بن ورقاء، حکیم بن حزام خفیہ حالات معلوم کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر میں آئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو گرفتار کر کے دربار نبوی میں پہنچا دیا۔ ان تینوں نے وہاں پہنچ کر ایک بار پھر حلم، صبر اور عفو کا منظر دیکھا۔ طبیعت پر بے حد اثر ہوا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ ۱۸ رمضان المبارک کو دن چڑھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے آپ اس وقت ایک سانڈنی پر سوار تھے زبان پر سورہ فتح کی آیات تھیں تواضع اور انکساری کی وجہ سے گردن بارگاہِ الٰہی میں جھکی

---

[1] یہ مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ ہے۔

ہوئی تھی۔ اور آپ گویا سراپا شکر بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی سال غزوۂ حنین پیش آیا۔

غزوۂ حنین

(۵) واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن و ثقیف کے بدوؤں نے یہ سوچکر کہ ہم پر حضور حملہ کریں بہتر یہ ہے کہ ہم ہی آپ پر حملہ کردیں حنین میں جمع ہوئے اور حملہ کے تمام اسباب مہیا کرنے شروع کر دیئے۔ آپ کو جب اس تیاری کی خبر ملی تو دس ہزار اصل لشکر اور دو ہزار طلقائے مکہ کل بارہ ہزار کی جمعیت کو اپنے ہمراہ لے کر ۶ شوال ۸ھ میں حنین کے لیے روانہ ہوئے۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر اپنی تکثیر جماعت اور کثرت تعداد پر ناز کرتے ہوئے مکہ سے باہر نکلا بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر اعتماد اور گھمنڈ پیدا ہوا جس کو حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات نے پسند نہ فرمایا۔ اس لیے ابتداء ہزیمت ہوئی اور لشکر اسلام میں انتشار اور خلفشار پیدا ہوگیا۔ بالآخر اللہ جل شانہٗ نے حضور پاک ﷺ کی برکت سے اس منتشر مجمع کو پھر جمع کر دیا۔ پھر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جم کر لڑے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد طائف کی جانب کوچ فرمایا۔

طائف کا محاصرہ

(۶) اٹھارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو شخص قلعہ سے باہر نکل جائے وہ آزاد ہے۔ یہ اعلان سُن کر دس سے کچھ زائد آدمی قلعہ کی دیوار پھاند کر باہر نکل آئے کیونکہ مشرکین نے قلعہ کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ اٹھارہ روز بعد آپ واپس تشریف لائے۔

عمرہ جعرّانہ

(۷) راستہ میں جعرانہ سے احرام باندھ کر ۲۴، ذیقعدہ کو عمرہ فرماتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

(۱) اس سال غزوۂ تبوک ہُوا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا آخری غزوہ تھا ۵ رجب روز پنجشنبہ کو آپ مدینہ طیبہ سے چلے تاکہ ہرقل (روم کا بادشاہ) اور جنگِ موتہ کے ہارے ہوئے عیسائیوں کا زور توڑ دیں۔ اور ان کا ارادہ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ہے وہ ختم کر دیں۔ یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا مسلمان تنگدست بھی تھے اور غریب بھی۔ اس لیے بڑی کثرت سے صحابہ کے درمیان چندہ ہوا۔ عورتوں نے اپنے بدن کے زیورات اتار کر دے دیئے۔ اسلامی فوج بیس ہزار کے قریب تھی لیکن رومیوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بے حد رعب پڑا۔ ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی حضور اکرم ﷺ نے صلح فرما کر ان کو امن بخشا۔ اور بیس روز وہاں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

پہلا حج الاسلام

حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق یہ واپسی شروع رمضان المبارک میں ہوئی۔ اور

صاحب مجمع نے دو ماہ قیام فرمانا لکھا ہے اور بعض مؤرخین نے بیس۲۰ دن۔ اقرب یہی ہے کہ وہاں کا قیام بیس یوم کا تھا اور پورا سفر دو ماہ میں ہوا۔

(۲) سفر سے واپس ہوتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے مسجد ضرار کو آگ لگوادی۔ یہ دراصل نام کی مسجد تھی جسے منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے بنائی تھی۔

(۳) اس سال پہلی مرتبہ اسلامی حج ادا کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں تین سو مسلمانوں کا دستہ انتظام و انصرام کی غرض سے روانہ ہوا اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کفار سے برأت کا اعلان کرایا گیا۔ جو سورۃ برأت میں ابتداءً مذکور ہے۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول کی موت

(۴) اسی سال ماہ ذیقعدہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کا انتقال ہوا۔ حضور پاک ﷺ نے اپنی طبعی رحم و کرم اور فطری شرافت و نجابت کی بنا پر اس کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے یہاں تک کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کی غرض سے آگے بھی بڑھ گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوش آگیا اور آپ کی چادر مبارک پکڑلی۔ اور نماز پڑھانے سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ ایک ایسے منافق کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہیں جس کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں۔

"استغفرلهم اولا تستغفرلهم ان تستغفرلهم سبعين مرة فلن يغفرالله لهم" (الآیۃ پ۱۰ سورۃ توبہ) ترجمہ:۔ یعنی آپ چاہے منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں اللہ جل شانہٗ ان کو نہیں بخشے گا۔

حضور پاک ﷺ کی رأفۃ اور رحمۃ للعالمین ذات نے جواب دیا کہ اللہ جل شانہٗ نے مجھے استغفار سے منع نہیں کیا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہوگی تو میں زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے آپ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جس پر آیت شریفہ "ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره" (الآیۃ پ۱۰) نازل ہوئی۔ ترجمہ: اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مرجائے اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔ اور ہمیشہ کے لیے حضور کو اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کو کسی کافر کی نمازِ جنازہ اور اس میں شرکت سے قطعی طور پر منع کردیا گیا۔

شاہِ حبشہ کی نمازِ جنازہ

(۵) شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال بھی اسی سال ہوا جس کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع فرما کر انکی نماز

جنازہ غائبانہ طور پر پڑھی۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا انھی کے ساتھ مخصوص تھا۔ تفصیل کے لیے مراجعت کرلی جائے کتب فقہ کی طرف۔

⑦ اسی سال حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

حجۃ الوداع ۱۰ھ

یہ سال نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کا سال ہے۔ حجۃ الوداع کا ترجمہ ہے "رخصتی حج" کیونکہ اس حج کے تین ماہ بعد آپ انتقال فرما گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ پچیس ۲۵ ذیقعدہ بروز شنبہ بعد ظہر مدینہ منورہ سے چل کر چار ۴ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ قیام پذیر ہوئے۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے۔ حج کے موقعہ پر آپ نے کئی تقریریں فرمائیں۔ سب کا حاصل یہی تھا کہ مسلے مسائل اچھی طرح یاد کرلو بہت ممکن ہے کہ آئندہ سال میں اور تم یہاں اکٹھے نہ ہوں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نصائح

① چنانچہ فرمایا کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت یہ ساری چیزیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں۔ جیسے آج کے دن اس شہر مکہ میں اور اس مہینہ میں حرام سمجھتے ہو۔

② فرمایا۔ عنقریب (مرنے کے بعد) تم سب کو خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ یاد رکھو وہاں تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

③ فرمایا زمانہ جاہلیت کے تمام طور وطریق پیروں سے کچل دیئے گئے۔

④ فرمایا زمانہ جاہلیت کے خونوں کا مطالبہ آئندہ نہ کیا جائے۔

⑤ فرمایا جس قدر سودی روپیہ لوگوں کے ذمہ تھا وہ سب معاف ہے اور آئندہ کیلئے بھی بالکل معاف کردیا گیا۔

⑥ فرمایا میرے بعد کفر نہ اختیار کرلینا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرنے لگو۔

⑦ فرمایا کتاب اللہ کے موافق جو تم پر حکومت کرے اس کی فرمانبرداری کرنا تمام عبادتیں نماز، روزہ اور وہ لوگ جن کو تم امیر بناؤ ان کی اطاعت کرتے رہنا۔

⑧ فرمایا عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا ان کے حقوق پورے پورے ادا کرتے رہنا۔

⑨ فرمایا میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید۔ دوسرے میرا طریقہ۔ یہ تمام باتیں ارشاد فرما کر آپ نے فرمایا کہ

⑩ لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے عرض

کیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اللہ جل شانہٗ کے تمام احکامات ہم تک پہنچا دیئے اس کے بعد آپ نے آسمان کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہ۔

قربانی کے موقعہ پر آپ نے سو اونٹوں کی قربانی کی۔ اس طرح سے کہ ترسٹھ ۶۳ اونٹ خود اپنے دستِ مبارک سے ذبح کئے۔ جن میں سات اونٹ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر قربان ہونے کے لیے اُمنڈ کر آئے جسکی ترجمانی اس شعر سے بخوبی ہوتی ہے[1]

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پرا وّل سب سے دیکھئے وار کرے وہ شرف آرا کس پر!

اور سینتیس ۳۷ اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ و رضی اللہ عنہ نے ذبح کیئے۔

قربِ وصال کی خبر

نبی اکرم ﷺ کے آنے کا مقصد جب پورا ہو گیا اور دین اسلام ہر جگہ پھیل گیا اور اس کے ماننے والے جب ہر جگہ ہو گئے تو حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور اقدس ﷺ کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اسی حج کے دوران اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ (الآیۃ) نازل ہوئی جس سے حضور اقدس ﷺ نے اپنے قربِ وصال کا اندازہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر مشائخ مکہ سے اس سورت کے شانِ نزول کو امتحاناً دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہی جواب دیا کہ اس میں آپ ﷺ کے قربِ وصال کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی قرائن سے حضور اکرم ﷺ کو اپنی زندگی کے قربِ اختتام کی اطلاع ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحابہ کے مجمع میں ایک روز آپ نے ارشاد فرمایا" اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے چاہے تو وہ دنیا میں رہ لے یا خدا کے یہاں رہنا پسند کرلے۔ سو اس بندے نے خدا کے یہاں رہنا ہی پسند کر لیا۔ اس جملہ سے آپ کا مقصد اپنے انتقال کے قرب کو بتلانا تھا۔ جسے حضرت ابوبکر صدیق فوراً سمجھ گئے۔ اور رو کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت ابوبکر کی ذہانت اور بات کی تہہ تک پہنچ جانے سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں کسی انسان کو اگر دوست بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے۔ لیکن ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں۔ یہ فرما کر

---

[1] اصل شعر میں لفظ ستم آرا ہے مگر یہ بندہ کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے نامناسب معلوم ہوا اس لیے اس شعر میں تغیر کر دیا گیا۔ (زکریا)

آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے مکان کی کھڑکی کے علاوہ باقی تمام کھڑکیاں جو مسجد کی طرف کھلتی ہیں بند کردی جائیں۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا اشارہ ہے۔

مرض الوصال[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اولاً آپ کے سر میں درد شروع ہوا پھر بخار بڑی شدت کے ساتھ بڑھ گیا۔ اس دوران آپ کا قیام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا۔ آپ حضرت میمونہ اور دوسری بیویوں سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہوگئے۔ ان ایام میں بھی نمازوں کی ادائیگی کے لیے مسجد تشریف لاتے رہے لیکن جب مسجد میں آنے سے تکلیف ہونے لگی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہلوایا کہ وہ امامت کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ آپ کی جگہ خالی نہ دیکھ پائیں گے۔ لہٰذا یہ خدمت حضرت عمر کے سپرد کردیجیے کہ وہ قوی القلب ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسکی تائید کی۔ جس پر آپ نے دونوں کو ڈانٹا اور فرمایا کہ اللہ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے لہٰذا ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر نے آپ کی حیات میں سترہ وقت کی نماز پڑھائی۔ ان میں ایک نماز کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں کچھ خفت محسوس فرمائی اور تشریف لاکر حضرت ابوبکر کے برابر میں بیٹھے۔ بندہ کے خیال میں یہ شنبہ کے دن ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ اس دوران آپ کو معلوم ہوا کہ انصار و مہاجرین آپ کے فراق میں رو رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آتی ہے۔ آپ بھلا روحانی باپ ہوکر کیسے ان کے رنج و غم میں رہنا گوارا کر سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وعظ

اس لیے آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھوں پر سہارا دے کر تشریف لائے کیونکہ ضعف و تکلیف کی وجہ سے خود چلنا مشکل تھا مسجد میں تشریف لاکر منبر کی پہلی سیڑھی پر

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے متعلق تفصیل "خصائل نبوی" شرح شمائل ترمذی مؤلفہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ، میں دیکھی جاسکتی ہے۔

رونق افروز ہوئے اور ایک مختصر سا وعظ فرمایا جس میں آپ نے صحابہ کرام کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ فرمایا

۱ میں نے سنا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت کے تصور سے گھبرا رہے ہو کیا کبھی کوئی نبی یا رسول ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں رہا ہے جو میں بھی ہمیشہ رہوں۔ یقیناً میں اب خدا سے ملنے والا ہوں۔ اور تم بھی تھوڑی سی مدت کے بعد مجھ سے آملو گے۔

۲ یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم میرے سے بعد میں آکر ملو گے۔

۳ اور تم سے اب حوض کوثر پر ملاقات ہوگی۔

۴ دیکھو جو مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غلط جگہ پر استعمال نہ کرے۔

۵ دیکھو! اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو اُن کا بادشاہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر آدمی بُرے ہوتے ہیں تو ان کا بادشاہ بھی بُرا ہوتا ہے۔

۶ میں انصار کو مہاجرین سے اور مہاجرین کو انصار سے اچھے برتاؤ اور نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ نے صبح کی نماز میں حجرہ شریفہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کرام کو آخری مرتبہ ملاحظہ فرمایا۔ جسے دیکھ کر حضرات صحابہ کرام ازخود رفتہ ہوگئے۔ قریب تھا کہ یہ حضرات نماز ہی میں آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں مگر آپ نے ان کو اشارہ سے منع فرمادیا اور حجرہ شریفہ کا پردہ گرادیا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول کا ہے۔ اسی روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی جانب متوجہ ہیں اور زبان مبارک پر اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ جاری ہے (یعنی اے اللہ اے بہترین رفیق)، اور سمجھ گئیں کہ انتقال کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

انتقال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی صحابہ کرام جن کے قلوب آپ کی محبت اور مودت سے لبریز تھے ان کو اس حادثہ کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر اور مضبوط دل کا آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ کا وصال ہوگیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر کا وجود ہی ایسا تھا کہ تمام صحابہ کو دلاسا دیئے ہوئے تھا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی۔

صحابہ کرام کو اس حادثہ پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے

وہ سمجھ لے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد آیت کریمہ" وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" (الآیۃ) دلیل کے طور پر صحابہ کو سنائی اس تقریر کے بعد صحابہ کو آپ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کو غسل دے کر جنازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ گروہ در گروہ ہو کر آتے رہے اور نماز پڑھتے رہے۔ راجح قول کے مطابق شب چہار شنبہ میں اسی حجرہ شریفہ کو آپ کی آخری آرام گاہ بنا دیا گیا۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وسلم

تسلیما کثیرا کثیرا۔

متفرق واقعات

حضور اکرم ﷺ کے غزوات اس رسالہ کا موضوع نہیں ہیں، بلکہ اس رسالہ کے مناسب وہ واقعات ہیں جو ریاضات ومجاہدات غیروں کی ایذاء رسانی اور آپ کے صبر وتحمل پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ ان غزوات سے حضور اقدس ﷺ کے مجاہدات کفار ومخالفین کے ساتھ رأفت وشفقت نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے اس لیے ان کو مجملاً ذکر کر دیا گیا۔ اب آخر میں تکملہ کے طور پر نبی کریم ﷺ کے فقر وفاقہ، آپ کے زہد، آپ کی عسرت وتنگی کے چند واقعات خصائل نبوی اردو ترجمہ شمائل ترمذی سے نقل کراتا ہوں۔

(۱) حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر دو پرانی لنگیاں تھیں۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے جس کو امام ترمذی نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ مشہور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ آپ اس پرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک کھجور کی ٹہنی آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ ایک شخص آئے اور آپ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رعب کی وجہ سے کانپنے لگے۔ آپ نے فرمایا سکون اختیار کرو۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ ان کا تمام خوف جاتا رہا۔

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کا پرانی دو چادریں پہننا تواضع کی وجہ سے تھا اسی وجہ سے صوفیاء نے شکستگی کی حالت کو اختیار کیا ہے کہ یہ تواضع کی طرف لے جانے والی ہے اور تکبر سے دور کرنے والی ہے۔

(۲) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی نہ روٹی سے شکم سیری

فرمائی اور نہ گوشت سے مگر کسی مہمان کی آمد پر۔ اس لیے کہ آپ کا کھانے سے ہاتھ روک لینا سارے ہی مہمانوں کو ہاتھ روکنے اور بھوکا اُٹھ جانے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔

۳ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دُنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی۔ اور تم اس میں اسی طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ حضورِ اقدس ﷺ نے دُعا فرمائی ہے کہ اے اللہ محمد کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما۔

۴ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو) حالانکہ میں نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی بقدرِ کفایت نہیں ہوتی تھیں۔

۵ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور پاک ﷺ کے اہل و عیال کے یہاں ایک ایک ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گذارا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینے کامل گذر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضورِ اکرم ﷺ کے گھروں میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی۔ آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لیئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لیے آگ جلانے کی ضرورت ہوتی. علماء نے لکھا ہے کہ باوجود خیبر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے آپ کا یہ سارا فقر و فاقہ شروع زندگی سے آخیر تک رہا ہے۔

۶ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کی ایک ٹانگ بھیجی، رات کا وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے اندھیرے ہی میں ٹکڑے کرنے لگیں۔ کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے فرمایا اگر چراغ میں جلانے کے لیے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں ہی استعمال نہ کر لیتی۔

۷ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ شدت بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ آپکو شدت بھوک ہم سے بھی زیادہ تھی۔ اور ہم سے زیادہ وقت بغیر کچھ کھائے گذر چکا تھا۔

۸ ایک مرتبہ آپ بے وقت باہر تشریف لائے اس وقت نہ تو حضور کی عادت شریفہ باہر

آنے کی بھی اور نہ کوئی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوتا تھا۔ حضور کی تشریف آوری پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضور نے خلاف معمول آنے کا سبب پوچھا عرض کیا کہ جمالِ جہاں آرا کی زیارت اور سلام کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ (یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور کو اگر خلافِ عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی بڑی وجہ ہے دورِ نبوی کے ساتھ خلافتِ صدیقیہ کے اتصال کی) تھوڑی دیر بعد حضرت عمر آئے آپ نے ان سے بھی بے وقت آنے کا سبب پوچھا انھوں نے بھوک کی شدت کا ذکر کیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی محسوس ہو رہی ہے۔ (ان دونوں حضرات کے جوابات میں فرق مراتب کا بھی اظہار ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھوک کی شدت کا علاج بھی حضور اکرم کی زیارت کو سمجھا ؎

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کر صورت تیری

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابو بکر نے اپنی بھوک کا اظہار اس وجہ سے نہیں کیا کہ مبادا حضور کو کلفت ہو۔ کیونکہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جاتی ہے۔) اس کے بعد یہ تینوں حضرات ابو الہیثم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر گئے جو اہل ثروت لوگوں میں تھے اور عشاق میں سے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گھر والوں کے لیے پانی لینے گئے ہیں۔ جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہ بھی واپس آ گئے اور حضور کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگے۔ ؎

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے بن بلائے مرے گھر آپ چلے آئیں گے

پڑھتے ہوئے آپ کو لپٹ گئے اور باغ میں چلنے کی درخواست کی۔ وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور مہمانوں کو بٹھلا کر ایک خوشہ جس میں کچی پکی اور گدری کھجوریں تھیں۔ لا کر سامنے رکھ دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پکی پکی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ عرض کیا کہ ہر شخص اپنی حسب رغبت نوش کرے۔ ان حضرات نے کھجوریں نوش فرما کر پانی پیا۔ حضور اکرم ﷺ کا ہر لحظہ چونکہ تعلیم امت کے لیے وقف تھا اس لیے آپ نے کھجوریں اور پانی پینے کے بعد فرمایا۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ بھی اس تعلیم میں داخل ہے جس کا قیامت میں حساب ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا۔ حضور اکرم ﷺ کا اشارہ اس آیۃ شریفہ کی طرف تھا۔ "ثم لتسئلن یومئذ النعیم"

(۹) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ کرام) ابتداء اسلام میں ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہمارے جباڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں اونٹ اور بکریوں کی طرح میگنیاں نکلا کرتی تھیں۔

(۱۰) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیا تھا فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور کے نیچے بچھادیا کرتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھادوں تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے صبح کو فرمایا کہ رات کو کیا بچھا دیا تھا۔ عرض کیا وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا گیا۔ فرمایا اسے ویسا ہی رہنے دو جیسا پہلے تھا اس کی نرمی رات کو اٹھنے نہیں دیتی۔

(۱۱) حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے ان سے کہا کہ صبر سے کام لو۔ خدا کی قسم محمّد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے گھرانے میں سات دن سے کوئی چیز نہیں ہے اور تین دن سے تو ہانڈی کے نیچے آگ بھی نہیں جلی اور خدا کی قسم اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں کہ تہامہ کے سارے پہاڑوں کو سونا بنا دے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ضرور بنا دیں گے۔

عبادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت وسکون عبادت ہے ہر قول وفعل کمال عبدیت کا مظہر اور ہر کلام وخاموشی ذکر و فکر ہے لیکن بطور مثال کے یہاں پر چند واقعات آپ کی عبادت کے بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضُور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ حق شانہٗ تعالیٰ نے آپ کے اوّل وآخر سب گناہ بخش دیئے ہیں؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے تو کیا میں اس کا شکر ادا نہ کروں۔

فائدہ: سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ عبادت کی کثرت گناہوں کے لیے کفارہ ہوتی ہے تو

جب آپ بے گناہ ہیں تو پھر اس درجہ مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ؟ حضور پاک ﷺ نے اسکا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی کہ اس کے ذریعہ گناہ معاف ہو جائیں بلکہ اور بھی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں۔ اب جب کہ اللہ جل شانہٗ نے میرے سارے گناہ معاف فرمادیئے تو اس عبادت کی غرض اس کا شکر ادا کرنا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت سے کی جاتی ہے یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے یہاں قیمت ادا کی جارہی ہے وہاں آخرت میں مال مل جائے گا اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے کی جاتی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں جیسا کہ نوکروں کا عام دستور ہوا کرتا ہے اور ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو یہ احرار کی عبادت ہے۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی کوئی عجیب ترین بات سنا ئیں تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور کی کونسی بات ایسی تھی جو عجیب ترین نہ تھی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک رات کا قصہ ہے کہ سونے کیلئے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر کھڑے ہو گئے وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سینۂ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے اس کے بعد رکوع کیا اس میں روتے رہے۔ پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے بغرض صبح تک یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ حضرت بلال صبح کی نماز کے لیے بلانے آ گئے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ اس قدر کیوں روئے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔ تو فرمایا کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں اس کے بعد ارشاد فرمایا میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد آپ نے "ان فی خلق السمٰوٰت والارض" سورۂ آل عمران کے آخر رکوع کی آیت تلاوت فرمائی۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہیئے کہ اس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے۔

گریہ وزاری

(۱) حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ پر ہی نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے سے سُنوں۔ (اشائد حضور نے سنانے کے لیے اس لیے فرمایا ہو کہ سننے میں غور و تدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے) میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۃ نساء (جو چوتھے سیپارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنی شروع کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا۔
"فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا"۔ ترجمہ: پھر کیا حال ہوگا جب بلادیں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلادیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔ (پ۵ سورۃ نساء آیۃ ۴۱ رکوع ۳) تو میں نے حضور کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

(۳) علماء نے لکھا ہے کہ آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے کبھی رحمت[۱] اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی غلبۂ[۲] خوشی سے ہوتا ہے کبھی کسی درد[۳] وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج[۴] کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی کسی شے[۵] کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک رونا توبہ[۶] کا ہوتا ہے جو کسی گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔
ایک رونا انفاق[۷] کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع خضوع ظاہر کرنے کے طور سے رویا جائے۔ ایک[۸] رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مُردہ کو بلا مزدوری لیے رویا جائے۔ ایک رونا[۹] مزدوری کا رونا کہلاتا ہے جیسا کہ کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے۔
ایک[۱۰] موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا ہوا دیکھ رونا آجائے وغیرہ وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اکثر امت پر شفقت و رحمت یا امت پر خوف یا اللہ کا ڈر۔ یا اس کے اشتیاق سے ہوتا تھا۔

میں نے اپنے سب اکابر کو نماز اور ذکر کے دوران روتے ہوئے خوب دیکھا۔ مگر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے دو بزرگوں کو دیکھنے کی نوبت بکثرت آئی۔ ایک اپنے والد صاحب قدس سرہ اور دوسرے حضرت اقدس

شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کو۔ حضرت مدنی سندی کے دوہے پڑھا کرتے تھے۔ اور میرے والد صاحب عربی کے اشعار۔ بعض مرتبہ ان دونوں کی ہچکیوں کی وجہ سے میری آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔ سنا ہے کہ امام ربانی قدس سرہٗ بھی ظہر کے بعد جب حجرہ شریف میں پہنچ کر ذکر کرتے یا قرآن پاک پڑھتے تو گریہ وزاری کی آواز حجرہ کے باہر تک آیا کرتی تھی۔

اللہ جل شانہٗ اپنے لطف وفضل سے میرے اور میرے دوستوں، میرے محسنوں اور ملنے والوں، تلامذہ اور سب مؤمنین کے دلوں کو نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کی محبت سے بھر دے۔

آمِیْن بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَکْمَلَانِ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلٰی اَتْبَاعِہٖ وَاَتْبَاعِھِمْ حَمَلَۃِ الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ۔

تمت بالخیر

ملحوظہ :

بحمد اللہ تعالیٰ یہاں تک ”ذکر مبارک“ کا مضمون مکمل ہوا، چونکہ ابتداً واقعہ معراج شریف کے بعد قصیدہ بردہ مبارکہ کے اشعار نقل ہو چکے ہیں اب اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ بہاریہ کے وہ منتخب اشعار جو ہمارے شیخ قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے اپنے مبارک رسالہ ”فضائل درود شریف“ کے اختتام میں تحریر فرمائے ہیں انھیں بعینہٖ اس جگہ نقل کر دیا جائے۔

اس کے بعد قصائدِ قاسمی میں سے حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نوّر اللہ مرقدہٗ کے مشہور قصیدۂ بہاریہ میں سے چند اشعار پیش کرتا ہوں جیسا کہ اُوپر (فضائل دُرود شریف کے مضمون میں) لکھا جا چکا ہے۔ یہ قصیدہ بہت طویل ہے۔ ڈیڑھ سو زائد اشعار اس قصیدہ کے ہیں اس لیے سب کا لکھنا تو موجبِ طول تھا۔ جو صاحب پُورا دیکھنا چاہیں اصل قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں ساٹھ اشعار سے کچھ زائد پر اکتفا کیا جا رہا ہے جس سے حضرت قدس سرہٗ کی والہانہ محبت اور عشقِ نبوی کا اندازہ ہوتا ہے۔

قصیدۂ بہاریہ سے منتخب اشعار

نہ ہووے نغمہ سرا کس طرح سے بُلبلِ زار — کہ آئی ہے نئے سرے سے چمن چمن میں بہار

ہر اک کو حسبِ لیاقت بہار دیتی ہے — کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار

خوشی سے مرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں — کفِ ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار

بجھاتی ہے دلِ آتش کی بھی تپش یا رب — کرم میں آپ کو دشمن سے بھی نہیں انکار

یہ قدرِ خاک ہے ہیں باغ باغ وہ عاشق — کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار

یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰ علیہ السلام — بنا ہے خاص تجلّی کا مطلعِ انوار!

اسی لئے چمنستاں میں رنگِ مہندی نے — کیا ظہور ورق ہائے سبزہ میں ناچار

پہنچ سکے شجرِ طور کو کہیں طوبےٰ — مقامِ یار کو کب پہنچے مسکنِ اغیار

زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ زمیں — یہ سب کا بار اُٹھائے وہ سب کے سر پہ بار

کرے ہے ذرّہ کوئے محمدی سے خجل — فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار

فلک پہ عیسےٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی — زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمدِ مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمد — زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

ثنا کر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ — کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

کہاں وہ رُتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی — کہاں وہ نُورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

چراغِ عقل ہے گُل اُس کے نُور کے آگے — زباں کا مُنہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

جہاں کے جلتے ہوں پر عقلِ کُل کے بھی پھر کیا — لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار

مگر کرے مری روح القدس مددگاری — تو اُس کی مدح میں میں بھی کروں رقم اشعار

جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے — تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

تو بُوئے گُل ہے اگر مثلِ گُل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمسِ نہار

حیاتِ جان ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی — بجا ہے کہئے گر تم کو مبدءِ الآثار

جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود — قیامت آپ کی بھی دیکھئے تو اک رفتار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

پہنچ سکا ترے رُتبہ تلک نہ کوئی نبی! — ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار

جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے — کریں ہیں اُمتی ہونے کا یا نبی اقرار

لگاتا ہاتھ نہ پُتلے کو بوالبشر کے خُدا — اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

خدا کے طالبِ دیدار حضرت موسیٰ علیہ السلام — تمہارا لیجئے، خدا آپ طالبِ دیدار

کہاں بلندیٔ طُور اور کہاں تری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار

جمال کو ترے کب پہنچے حُسنِ یُوسفؑ کا — وہ دلرُبائے زلیخا تو شاہدِ ستّار

رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت — نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستّار

سما سکے تری خلوت میں کب نبی و ملک — خدا غیور تو اُس کا حبیب اور اغیار

نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سا اک شب بھی — قمر نے گو کہ کروڑوں کئے چڑھاؤ اُتار

خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے — تو جس قدر ہے بھلا میں بُرا اُسی مقدار

نہ پہنچیں گنتی میں ہرگز ترے کمالوں کی — مرے بھی عیب شہِ دوسرا شہِ ابرار

عجب نہیں تری خاطر سے تیری اُمت کے | گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار
بکیں گے آپ کی اُمت کے جُرم ایسے گراں | کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہونگی نثار
ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت | گناہِ قاسمِ برگشتہ بخت بداطوار
تمھارے حرفِ شفاعت پہ عفو ہے عاشق | اگر گناہ کو ہے خوفِ غصۂ قہار
یہ سُن کے آپ شفیعِ گناہ گاراں ہیں | کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار
ترے لحاظ سے اتنی تو ہو گئی تخفیف | بشر گُناہ کریں اور ملائک استغفار
یہ ہے اجابتِ حق کو تری دُعا کا لحاظ | قضائے مبرم و مشروط کی سُنیں نہ پکار
بُرا ہوں، بد ہوں، گنہگار ہوں پہ تیرا ہوں | ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ میں ہوں ناہنجار
لگے ہے تیرے سگ کو مرے نام سے عیب | پہ تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عزّ و وقار
تُو بہترینِ خلائق، میں بدترینِ جہاں | تو سرورِ دو جہاں، میں کمینہ خدمتگار
بہت دنوں سے تمنّا ہے کیجئے عرضِ حال | اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا | وہاں ہو قاسمِ بے بال و پر کا کیونکہ گزار
دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی | کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار
جو تُو ہی ہم کو نہ پُوچھے تو کون پُوچھے گا | بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غمخوار
لیا ہے سگِ نمط ابلیس نے مرا پیچھا | ہوا ہے نفس مُوا سانپ سا گلے کا ہار
رجاؤ خوف کی موجوں میں ہے اُمید کی ناؤ | کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں | مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار
اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ | کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار
دلے یہ رُتبہ کہاں مُشتِ خاکِ قاسم کا | کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
غرض نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن | خدا کی اور تیری اُلفت سے میرا سینہ فگار
لگے وہ تیرِ غمِ عشق کا مرے دل میں | ہزار پارہ ہو دل خونِ دل میں ہو سرشار
لگے وہ آتشِ عشق اپنی جان میں جس کی | جلا دے چرخِ ستمگر کو ایک ہی جھونکار
تمھارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا | کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں درونِ غبار
رہے نہ منصبِ شیخ المشائخی کی طلب | نہ جی کو بھائے یہ دنیا کا کچھ بناؤ سنگار

ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جوں قمر کا جگر
کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جا پار

تُو تھام اپنے تئیں حد سے پا نہ دھر باہر
سنبھال اپنے تئیں اور سنبھل کے کر گفتار

ادب کی جا ہے یہ چپ ہو تو اور زبان بند کر
وہ جانے چھوڑ اسے پر نہ کر تو کچھ اصرار

بس اب دُرود پڑھ اُس پر اور اُسکی آل پہ تو
جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اُسکی عترتِ اطہار

الٰہی اُس پر اور اُس کی تمام آل پر بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کو شمار

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مضمون کی مناسبت سے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولاد کا بھی تذکرہ شامل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ ہی کی تالیف "حکایات صحابہ" سے یہ مضمون نقل کیا جا رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اور اولاد

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا چاہیے بھی۔ اس لیے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح جن پر محدثین اور مورخین کا اتفاق ہے گیارہ عورتوں سے ہوا۔ اس سے زیادہ میں اختلاف ہے۔

۱ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

اس پر اتفاق ہے کہ ان سب میں پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جو بیوہ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت پچیس ۲۵ برس کی تھی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس ۴۰ برس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب انھیں سے ہوئی جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو ۲ شخصوں سے نکاح ہوا۔ اہل تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند تھا۔ اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحب اولاد بھی۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبد اللہ یا عبد مناف تھا۔ عتیق کے بعد پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو ہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی۔ ہند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا جس وقت کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی نکاح کے بعد پچیس برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی طاہرہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی بنو الطاہرہ کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کے انتقال پر حضور اقدس ﷺ نے خود قبر مبارک میں اتر کر انکو دفن فرمایا تھا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔

۲ حضرت عائشہ و حضرت سودہ رضی اللہ عنہما

ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا۔ اسمیں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کس کا نکاح پہلے ہوا بعض مورخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا۔ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں۔ ان کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے۔ پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آکر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد سنہ ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی، ایک مرتبہ حضور ﷺ سے انھوں نے عرض کیا کہ رات آپ ﷺ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہو گیا (یہ بھی حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں۔ چونکہ بدن کی بھاری تھیں اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی)، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خاوند کی خواہش نہیں مگر یہ تمنا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں داخل رہوں۔ اس لئے مجھے آپ طلاق نہ دیں۔ میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں اس کو حضور ﷺ نے قبول فرمالیا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آتا تھا۔ سنہ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ

اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں۔ مجھے یہ بات گراں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی فرما دیا۔

۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا۔ جس وقت کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی حضور ﷺ کی بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب کہ انکی عمر کا نواں برس تھا رخصتی ہوئی۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال ہوا اور چھیاسٹھ ۶۶ سال کی عمر میں، ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا۔ خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں دفن کیا جائے۔ حضور ﷺ کے قریب حجرہ شریف میں نہ دفن کیا جائے۔ چنانچہ بقیع میں دفن کی گئیں۔

عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں کون سی مجھ سے زیادہ نصیبہ ور اور حضور ﷺ کی محبوبہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ حکیم رضی اللہ عنہا کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نکاح نہیں کرتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے۔ جو منظور ہو۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور بیوہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو۔ وہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں دریافت کرنے پر کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا سے منگنی کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ تو ان کی بھتیجی ہے۔ اس سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے۔ اچھا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنے دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو

حضور ﷺ کی بھتیجی ہے۔ حضور ﷺ سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہا نے جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں۔ اُن کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہا واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب سنایا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ کہا بلا لاؤ۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا۔

ہجرت کے بعد چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ اپنی بیوی عائشہ کو کیوں نہیں بلا لیتے۔ حضور اقدس ﷺ نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نذرانہ پیش کیا جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے دولت کدہ پر بنا یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور اکرم ﷺ کے ہجرت سے پہلے ہوئے اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔

۴ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبوّت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خُنَیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ سے ہوا۔ یہ بھی پرانے مسلمان ہیں جنھوں نے اوّل حبشہ کی ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے۔ اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آگئی تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے سکوت فرمایا۔ اسکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا۔ انھوں نے فرما دیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ حضور ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے لئے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر خاوند اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔

اسکے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا احد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور احد ۳ھ میں۔ اسی وجہ سے انکے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ رضی اللہ عنہا

کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا تمہیں اس وقت ناگواری ہوئی ہوگی، مگر چونکہ حضور اکرم ﷺ ان سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے۔ اس لیے نہ تو میں قبول کرسکتا تھا اور نہ حضور ﷺ کے راز کو ظاہر کرسکتا تھا۔ اس لئے سکوت کیا تھا۔ اگر حضور ﷺ ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں ضرور کرلیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوت کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرلو۔ یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر بھی منظور ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے رجوع فرمالیا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جب کہ ان کی عمر تقریباً تریسٹھ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ برس لکھی ہے۔

⑤ حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

ان کے بعد حضور ﷺ کا نکاح حضرۃ زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت زینب خزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جحش سے نکاح ہوا تھا جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے جن کا قصہ باب[۱] کی پہلی حدیث میں گذرا تو حضور ﷺ نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ انکا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث سے ہوا جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوا۔ باقی نو حضور ﷺ کے وصال کے وقت زندہ تھیں۔ جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی ام المساکین (مسکینوں کی ماں) تھا۔

⑥ حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ابو امیہ کی بیٹی تھیں۔ جن کا پہلا نکاح اپنے

[۱] حکایات صحابہ کے باب نمبر ۷، ۱۲۔

چچازاد بھائی ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالاسد تھا۔ دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں۔ کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی۔ وہاں جاکر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نام تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ جس کا قصہ اسی[۱] باب کے نمبر ۵ پر مفصل گذر چکا ہے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو لڑکیاں درہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۴ھ میں سریہ تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم بھی ہرا ہو گیا اور اسی میں ۸۔ جمادی الاخری میں ۴ھ میں انتقال کیا۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا پیٹ میں تھیں۔ جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کی خواہش فرمائی تو انھوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں ہے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی انشاء اللہ جاتی رہے گی۔ اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔ تو انھوں نے اپنے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرا نکاح کر دو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔

اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سُنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔ اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما تو اس کو اللہ جل شانہ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی، مگر یہ سوچتی تھی کہ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے اللہ نے حضور ﷺ سے نکاح کرا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُن کے حُسن کی بہت شہرت تھی۔ جب نکاح ہو گیا۔ تو میں چھپ کر حیلہ سے جاکر دیکھا تو جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا انھوں نے کہا نہیں ایسی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ اُمّہات المومنین میں سب سے اخیر میں حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت چوراسی[۸۴] سال کی عمر تھی۔ اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً نو برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت

---

[۱] حکایاتِ صحابہ

خزیمہ کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی۔ انھوں نے جَو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا۔ اور پہلے ہی دن حضور ﷺ کو وہ ملیدہ کھلایا۔ جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔

⑦ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ نے اپنے متبنیٰ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارثہ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے خود ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ جس کا قصہ سورۂ احزاب میں بھی ہے اس وقت ان کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے۔ مگر صحیح ۵ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیا نے کیا اور انکا نکاح اللہ جل شانہٗ نے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان کو طلاق دی اور عدت پوری ہوگئی تو حضور ﷺ نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں۔ اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ اور یہ دعا کی کہ یا اللہ تیرے رسُول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرمادے۔ ادھر حضور ﷺ پر قرآن شریف کی آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے خوشخبری بھیجی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں۔ حضور اقدس ﷺ نے انکے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا۔ بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہوجاتی تھی تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں اور بڑی محنتی۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں۔ اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کردیتیں۔ ان ہی کے بارہ میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لانبا ہوگا۔ بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں۔ اس لئے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ دیکھنے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لانبا ملا۔ مگر جب حضرت زینب کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت

زیادہ رکھتی تھیں۔ سنہ ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پچاس برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے نمبر ۱ پر بھی گذرا ہے۔

۸ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔ یہ غزوۂ مریسیع میں قید ہو کر آئی تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کر دیا۔ مکاتب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس سے یہ مقرر کر لیا جاوے کہ اتنے دام تم اگر دے دو تو تم آزاد۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا۔ اس حساب سے نو اوقیہ کی قیمت (معہ ۷۸ ۱/۲) ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو تو (لعہ ۹۰) ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں۔ اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمید پر آئی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرا دوں اور تجھ سے نکاح کر لوں۔ انکے لئے اس سے بہتر کیا تھا۔ بخوشی منظور کر لیا اور سنہ ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے سنہ ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے۔ نکاح ہو گیا۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے جب سنا کہ بنو المصطلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُسرال بن گئی تو انھوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے۔ جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں۔ چہرے پر ملاحت تھی۔ کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی اٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی امید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ اور ربیع الاول سنہ ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ میں انتقال ہوا اور بعضوں نے ان کا انتقال سنہ ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔

۹ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ابو سفیان کی صاحبزادی ان کے نام میں اختلاف ہے اکثروں نے رملہ اور بعضوں نے

ہند بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کفار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی وہاں جاکر خاوند نصرانی ہو گیا۔ یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انھوں نے اسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بری شکل میں دیکھا صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اس تنہائی میں اس حالت میں ان پر کیا گذری ہوگی۔ اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضور ﷺ کے نکاح میں آگئیں۔ حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کردو۔ چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لیے بھیجا۔ انھوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں اس کو عطا کر دیئے اور پاؤں کے چھلے کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے۔ اور بہت کچھ سامان دیا۔ جو لوگ مجلس نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا۔ جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ انکا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں۔ جب مدینہ طیبہ پہنچیں نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامان جہیز وغیرہ دیکر ان کو نکاح کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب و تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں ان کا ایک قصہ اسی باب ۱۱ کے ۹ پر گذر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے۔ اور اسکے علاوہ ۴۲ھ، ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

⑩ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حیی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہم السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اول سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اس کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہو گئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہو گیا تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے ایک باندی مانگی۔ حضور ﷺ نے ان کو مرحمت فرمادیا چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے۔ اور یہ سردار کی بیٹی تھیں اس لیئے لوگوں نے عرض کیا کہ

یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اگر حضور ﷺ اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دل داری ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے دحیہ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی صبح کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو چیز کھانے کی ہو وہ لے آئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے پاس متفرق چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے۔ ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا۔ اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا۔ اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا۔ یہی ولیمہ تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو چلی جاؤ۔ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں شرک کی حالت میں حضور ﷺ کی تمنا کرتی تھی اب مسلمان ہو کر کیسے جا سکتی ہوں۔ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب تھا جو انھوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے اس خواب کو انھوں نے اپنے خاوند کنانہ سے کہا اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب اُن کے سینے پر ہے۔ خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انھوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا اس نے بھی ایک طمانچہ مارا۔ اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی۔ خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

(۱۱) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حارث بن حزن کی بیٹی ان کا اصل نام برہ تھا۔ حضور ﷺ نے بدل کر میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ پہلے سے ابو رحم بن عبد العزی کے نکاح میں تھیں۔ اکثر مورخین کا یہی قول ہے اور بھی بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی دو نکاح ہوتے تھے۔ بیوہ ہو جانے کے بعد ذیقعدہ ۷ھ میں جب حضور اقدس ﷺ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے۔ موضع سرف میں نکاح ہوا۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہو جائے مگر مکہ والوں نے قیام کی

اجازت نہ دی اس لئے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے اس وقت ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی۔

یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام۔ اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مورخین کا اتفاق ہے ان میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے جس کی وجہ ان نکاحوں کی تاریخوں کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا ان گیارہ بیویوں میں سے دو کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا۔ باقی نو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی نکاح بعض محدثین اور مورخین نے لکھے ہیں۔ جن کے ہونے میں اختلاف ہے۔ اس لیے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

حضور ﷺ کی اولاد

صاحبزادے

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں. پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جیسے جانثار بھی اس وقت تک کثرت سے نہ ہوئے تھے۔ جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پانچویں حضرت طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس طرح پانچ ہوئے بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر رضی اللہ عنہما ایک ہی صاحبزادہ کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا۔ اسطرح تین ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے۔ مطیب اور مطاہر رضی اللہ عنہما اور لکھا ہے کہ طیب اور مطیّب رضی اللہ عنہما ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر اور مطہر رضی اللہ عنہما ایک ساتھ پیدا ہوئے اس طرح سات لڑکے ہوئے۔ لیکن اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے اور حضور ﷺ کی ساری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئی۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لڑکوں میں حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا دو سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے۔ اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ اور اسی وجہ سے ان کا نام طیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پڑا۔ اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال پر اور بعضوں نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پر کفار بہت

خوش ہوئے کہ آپ ﷺ کی نسل منقطع ہوگئی جس پر سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنٰا نازل ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہوگئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا، یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور ﷺ کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں حضور اقدس ﷺ نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح کئے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن فرمایا۔ ابوہند بیاضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر کے بال اتارے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا ہے۔ اور سولہ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں انتقال فرمایا بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جنت میں دُودھ پلانے والی تجویز ہوگئی۔

صاحبزادیاں

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے نکاح سے پانچ برس بعد جب کہ آپ کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کی آغوش میں جوان ہوئیں مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں۔ جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۲۰ (حکایات صحابہ) پر گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور انھیں کے نکاح میں رہیں۔ ان سے دو بچے ہوئے ایک لڑکا ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ جنھوں نے اپنی والدہ کے بعد بلوغ کے قریب حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

لڑکی کا نام حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب

حضورِ اقدس ﷺ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں۔ یہ حضور ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جوان کی خالہ تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کی کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی۔ البتہ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعضوں نے ایک لڑکا بھی لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کا نکاح بھانجی سے کر دیا جائے۔ ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تینتیس ۳۳ برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑا بتایا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔ حضور ﷺ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عتیبہ سے جس کے نکاح میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو۔ اس پر ان دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے۔ رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد فتح مکہ پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند عتبہ مسلمان ہو گئے تھے مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی۔ جس کا بیان پہلے باب کے نمبر ۱ (حکایات صحابہ) پر گذر چکا ہے۔

اسکے بعد جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی۔ تو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کر دی۔ اسی سلسلہ میں حضور ﷺ سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد حضور ﷺ جب بدر کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اسی لئے حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی تیمارداری کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے۔ بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچی۔ جب یہ حضرات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے آرہے تھے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ انکے دفن میں شرکت نہ فرما سکے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہو سکی تو اولاد کا کیا ذکر۔

البتہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے۔ اور چھ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کون سی بڑی تھیں۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بڑی تھیں۔ اوّل عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا مگر رُخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۃ تبت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی جیسا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا لیکن اُن کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ گذر چکا اور ان کے خاوند عُتیبہ نے طلاق دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر نہایت گستاخی بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددُعا دی کہ یا اللہ اپنے کُتّوں میں سے ایک کُتّا اس پر بھی مسلّط فرما۔ ابوطالب اس وقت موجود تھے۔ باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم گئے اور کہا کہ اس کی بددُعا سے تجھے خلاصی نہیں۔

چنانچہ عتیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جا رہا تھا۔ اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددُعا کا فکر ہے۔ قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ ایک منزل پر پہنچے وہاں شیر زیادہ تھے۔ رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عتیبہ کو سُلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے۔ رات کو ایک شیر آیا اور سب کے مُنہ سونگھے۔ اس کے بعد ایک زقند لگائی اور اس ٹیلے پر پہنچ کر عتیبہ کا سر بدن سے جُدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز دی مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا اور یہ قصہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔

بہرحال حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے۔ دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا۔ اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے "من عادی لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب" (جو میرے کسی ولی کو ستائے اس کو میری طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہُوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا۔ پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی

اولاد کوئی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرتا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں نبوت کے ایک سال بعد جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے پانچ سال پہلے پینتیس سال کی عمر میں لکھا ہے کہتے ہیں کہ ان کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا الہام یا وحی سے رکھا گیا۔ فطم کے معنی روکنے کے ہیں یعنی یہ جہنّم کی آگ سے محفوظ ہیں۔ ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ سے نکاح ہوا اور نکاح سے سات ماہ اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی یہ نکاح بھی اللہ جل شانہٗ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی اس سے بھی سن اکتالیس کی پیدائش کی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ یا چوبیس سال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی۔ جب حضور اقدس ﷺ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو ان کو رنج ہوا۔ حضور ﷺ سے شکایت کی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو رنج پہنچایا اس نے مجھے رنج پہنچایا اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ جس کا ذکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوتیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی۔ پانی رکھ دو۔ غسل فرمایا۔ نئے کپڑے پہنے۔ پھر فرمایا کہ میرا بستره گھر کے بیچ میں کردو اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رُخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مرتی ہوں، یہ فرما کر وصال فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ انھیں سے چلا اور انشاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ان کی چھ اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے اوّل حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے۔ پھر حضرت حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں پھر حضرت محسّن (ر یعنی س کی تشدید کیساتھ ہے)

پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں۔ دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عمر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کر گئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور انھیں کے نکاح میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اسی دن ان کے صاحبزادے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی انتقال ہوا۔ دونوں جنازے ساتھ ہی اٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔ یہ تینوں بھائی وہی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا قصہ چھٹے باب[۶] کے [۱۱] پر گذرا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے اور جعفر طیار کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جن کا نکاح عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ اور دو صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عون رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ اور ان کے ہی نکاح میں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ یہ اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے۔ مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کی تمام اولاد بتیس لکھی ہیں۔ جن میں سولہ[۱۶] لڑکے اور سولہ[۱۶] لڑکیاں۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پندرہ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ[۶] لڑکے اور تین لڑکیاں رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَجَعَلْنَا بِھَدْیِھِمْ مُتَّبِعِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ مُلَخَّصٌ مِنَ الْخَمِیْسِ وَالزَّرْقَانِیْ عَلَی الْمَوَاھِبِ وَالتَّلْقِیْحِ وَالْاِصَابَۃِ وَاُسْدُ الْغَابَۃِ۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

لہ حکایات صحابہ

ذکرِ خیر

مختصر تذکرہ

حضرات خُلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

ترتیب رسالہ کا مقتضا یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ شروع کیا جاتا کیونکہ سلسلہ چشتیہ میں حضور کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک ہی مشہور سلسلہ ہے۔ لیکن چونکہ خلفائے راشدین کا تذکرہ بھی حقیقتاً حضور ہی کے تذکرہ کا تتمہ ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک تو مصدر طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کمالات وترقیات میں بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑا دخل ہے۔ اس کے علاوہ سلاسل اربعہ میں خلفائے راشدین کا واسطہ بھی طرق میں منقول ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور ضمیمہ کے حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا لکھ دیا جائے۔

تذکرہ خلیفۂ اوّل

① حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضور کی جانشینی ہر جزو کل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہوئی۔ مہاجرین وانصار کی بیعت سے آپ خلیفہ رسول اللہ ﷺ قرار پائے۔ ہر چند کہ آیات قرآنیہ اس طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اور احادیث میں اس کی تصریح نیز" یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر (یعنی اللہ اور مومنین ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔) گویا تصریح تھی۔ اس کے علاوہ سب سے اہم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلب مبارک سید الکونین ﷺ کے قلب اطہر کے بالکل موافق تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے۔ (کمالی الامع صہ ۵۲ ج ۲)۔

بہت سے واقعات اس تناسب پر شاہد عدل ہیں۔ مثلاً ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کی دعوت اور حضرت ابوبکر و حضرت عُمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ جو چند صفحات پہلے گذر چکا صلح حُدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جو جوابات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیئے وہ بعینہٖ وہی تھے جو حضور نے دیئے تھے۔ حالانکہ ایک کو دوسرے کے جوابات کی خبر بھی نہیں تھی۔ اساریٰ بدر کے قصّے میں حضرت ابوبکر صدیق کی رائے بعینہٖ وہی تھی، جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے وہی اوصاف بیان کیے تھے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا استقرار وصال نبوی کے بعد بیعت عامہ سے ہوا۔

اسمِ گرامی و نسبِ عالی

آپ کا اسم گرامی مشہور قول کے موافق عبداللہ اور زمانہ جاہلیت کا نام عبد الکعبہ ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کا اسم گرامی عتیق بتلایا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عتیق آپ کا لقب تھا۔

اور نسب عبد اللہ بن ابی قحافۃ بن عامر بن عمرو بن کعب بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہے۔ مرہ بن کعب پر جا کر آپ کا نسب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ابو قحافہ کا نام عثمان ہے جو فتح مکہ میں نوے ۹۰ سال کی عمر میں اسلام لائے۔

القابِ مُبارکہ

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے مختلف القاب کے ساتھ ملقب کیے گئے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ گھر کے لوگوں نے آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا مگر عتیق کا لقب آپ پر غالب آگیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا لقب عتیق کیوں ہوا بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے چہرہ کے حسن و خوبی کی وجہ سے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کے سبّاق الی الخیر ہونے کی بنا پر اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کے نسب کی عمدگی اور صفائی کی وجہ سے کہ اس میں کہیں انگشت نمائی کی جگہ نہیں۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جہنم سے خلاصی کا پروانہ ملنے کی وجہ سے عتیق کے ساتھ ملقب ہوئے۔

آپ کا مشہور لقب صدّیق ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس لقب کے ساتھ آپ کب ملقب ہوئے بعض لوگوں سے منقول ہے کہ زمانۂ جاہلیت ہی سے آپ اس مبارک لقب کے ساتھ مشہور ہو چکے تھے۔ کیونکہ ہمیشہ سے سچ بولنے کی عادت تھی۔ مشہور قول یہ ہے کہ شبِ معراج میں حضور نے جبرئیل سے فرمایا کہ لوگ اس واقعہ (معراج) کی تصدیق کس طرح کریں گے تو انھوں نے عرض کیا کہ ابوبکر اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدّیق ہیں۔

تاریخ الخلفاء میں مستدرک کی روایت سے نزال بن سبرہ سے نقل ہے کہ ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت ابوبکر کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے صدیق نام رکھا۔ نماز کی امامت میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے تو جس شخص کو حضور نے ہمارے دین (یعنی نماز) کے لیے امام بنانا پسند فرمایا اس کو ہم نے اپنی دنیا (خلافت) کے لیے بھی پسند کرلیا۔ طبرانی نے حکیم بن سعد سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر قسم کھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام آسمان سے صدیق اتارا۔

قبولِ اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں اور جب مسلمان ہونے کیلئے دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے تو کوئی معجزہ بھی طلب نہ کیا۔ صرف بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس میں ایک قسم کا تردد اور لچک ضرور دیکھی مگر جس وقت ابوبکر پر میں نے اسلام پیش کیا وہ بے جھجک مسلمان ہو گئے۔

شروع شروع میں صحابہ کرام کفار کے ظلم و تشدد کی وجہ سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے لیکن جب مسلمان تعداد میں انتالیس ۳۹ ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھلم کھلا تبلیغ کی اجازت چاہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کے بعد یہ درخواست منظور فرمالی۔

اسلام میں سب سے پہلا خطبہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی مختصر سی جماعت کے ہمراہ بیت اللہ میں گئے اور جا کر خطبہ دیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرافت و عظمت کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھی۔ مگر اس خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ لوگوں نے اس قدر مارا کہ تمام چہرہ خون سے سرخ ہو گیا۔ ناک کان وغیرہ سب زخمی ہو گئے۔ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ جوتوں، ٹھوکروں اور لاتوں سے مارا۔ اس کے علاوہ وہ سب کچھ کر گذرے جو ان کے بس میں تھا۔

شدت تکلیف سے حضرت ابوبکر بیہوش ہو گئے۔ قبیلہ کے لوگ اٹھا کر گھر لائے، شام کو ہوش آیا ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے"۔ اس جملہ کو سن کر تیمار دار اٹھ کر چل دیئے کہ جن کے ساتھ رہنے کی بدولت یہ مصیبت آئی۔ ان کے لیے اب بھی یہ اتنا جذبہ رکھتے ہیں۔ ام خیر رضی اللہ عنہا (جو حضرت ابوبکر کی والدہ ہیں) نے کھانے پینے کے لیے اصرار کیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے قسم کھائی کہ جب تک حضور کی زیارت نہ کروں گا نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ جب لوگوں کی آمد و رفت کم ہوگئی تو رات کا بڑا حصہ گذر جانے کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے خود بھی خوب روئے اور نبی اکرم ﷺ کو بھی خوب رُلایا۔ صحابہ بھی خوب روئے۔ اسی مجلس میں حضرت ابو بکر نے اپنی والدہ کی ہدایت کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی اور ترغیب دی۔ چنانچہ یہ اسی مجلس میں اسلام لے آئیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات، ان کی سوانح اور ان کے فضائل خواہ کتنے ہی مختصر لکھے جائیں بھی پھر اس کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ان چند صفحات میں آپ کی کسی ایک نوع کی فضیلت کا احصار کیسے ممکن ہے۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنا ہی آپ کے کمالات کا ایک اہم مسئلہ ہے، جو کافی تفصیل چاہتا ہے۔

ہجرتِ حبشہ

اس کے بعد ہجرت حبشہ کا ارادہ فرمانا اور اس کے لیے تیار ہو کر روانہ ہو جانا۔ جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرتِ حبشہ کی نیت سے چل پڑے تھے راستہ میں ابن دغنہ سے مُلاقات ہوئی جو حضرت ابو بکر کو یہ کہہ کر واپس لے آئے کہ تم جیسا آدمی نہ نکالا جا سکتا ہے نہ نکل سکتا ہے۔ کیونکہ تم ناداروں کی کمائی کا ذریعہ بنتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور معاملات میں اعانت کرتے ہو۔

ہجرتِ مدینہ منوّرہ

ہجرت مدینہ اور نبوی رفاقت جس میں اللہ جل و علا کی معیت کا پروانہ نبوی زبان پاک سے ملا اور اللہ کے پاک کلام نے اس کی خبر دے کر تصدیق فرما دی۔ جس ذات کے ساتھ معیت خداوندی قطعی نص کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو اس کی کونسی فضیلت باقی رہ گئی۔ جس پر کوئی قلم اٹھائے اور کون سا درجہ تقرب ہے جس کو کوئی بیان کرے۔ قرآن پاک آیۃ ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔" ترجمہ: کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا۔ (پارہ ۱۰ رکوع ۱۱ آیت ۳۹) کے ہر ہر جملہ اور حرف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علوشان حضور ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق مودت محبت کے سارے ہی واضح اشارات موجود ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اوصاف و کمالات

سورۃ واللیل میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعریف و توصیف بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت بھی ملی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بشارت ملی کہ (عنقریب) جنت میں وہ خوش و خرم ہو جائیں گے منتہائے سلوک تقرب الٰہی

اور معیت مع اللہ ہے۔ جس کا قطعی پروانہ ابتداءً ہجرت میں آپ کو مل چکا تھا۔ اور اس کے بعد دس برس تک سفر و حضر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، وزارت، نیابت، اور مصاحبت نے جن کمالات اور مراتب پر پہنچایا ہوگا۔ اس کو چودھویں صدی کا ایک ناپاک لکھنے والا کیا لکھ سکتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اخلاق اوصاف، ہمت اور شجاعت جس میں ارتداد کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے تمام دنیا کے مسلم شجاع کو آپ نے "اجبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام" زمانہ جاہلیت میں اتنے زبردست اور اب اتنے بزدل کا طعنہ دے دیا۔

نیز علم و عمل، سخاوت و فیاضی، تقویٰ و پرہیز گاری، حلم و بردباری، تواضع و انکساری، ذکاوت بیداری تعبیر رؤیا کی مہارت اور انساب کی کمال واقفیت، فصاحت و بلاغت جس کے متعلق حضرت فاروق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ کافی شہادت ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نقل کرتا، میں اس کو (احتیاطاً) قسم دیا کرتا تھا مگر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم نہیں دیا کرتا تھا (کہ وہ اس سے بالاتر تھے)۔ غرض کونسا کمال، کونسا جوہر اور کونسی خوبی ایسی تھی کہ اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین حقیقی نائب اور اوّل خلیفہ میں علی وجہ الاتم نہ تھی۔

ع   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر تمام مخلوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھا جا سکتا ہے تو انبیاء کے بعد آپکے اس جانشین کی بھی صفت ہے۔

اس سب کے بعد آپ کی کثرت عبادت، جوش ایمانی جو ثمرۂ چشتیہ ہے اس کا کیا رنگ تھا یہ دکھلانے کے لیے چند واقعات ذکر کرتا ہوں۔

(۱) ابن عساکر نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر شریک جنگ ہوئے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مسلمان ہونیکے بعد ایک مرتبہ اپنے باپ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ جنگ بدر میں آپ میرے سامنے آگئے تھے مگر میں باپ ہونے کے احترام میں رُخ بدل کر چل دیا۔ فرمایا کہ اگر تو میرے سامنے آجاتا تو میں نہ ہٹتا۔ یعنی اللہ کے راستہ میں تیری پرواہ نہ کرتا۔ اور تجھ پر حملہ کر دیتا۔

(۲) آپ ابتداءً تاجر تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار

دینار تھے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ لیکن اسلام اور اہل اسلام کی معاونت کے لیے خرچ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا کہ جس کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ چندہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہ سب کچھ لا کر خدمت میں پیش کر دیا جو گھر میں تھا اور حضور کے اس سوال پر کہ گھر میں کیا چھوڑا۔ فرمایا اللہ اور اسکے رسُول کو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو اکثر اسکی رغبت رہا کرتی تھی کہ میں کسی دن ابوبکر پر سبقت لے جاؤں۔ اس دن بہت کچھ لائے اور حضور کے اس فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا فرمایا کہ جو کچھ موجود تھا نصف لے آیا ہوں اور نصف گھر چھوڑ دیا۔ پہلے سے حضرت عمر کو خیال تھا کہ اگر کسی دن سبقت لے جانا ممکن ہے تو آج ہو سکتا ہے لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سُنا تو سمجھ لیا کہ ان سے سبقت لیجانا ممکن نہیں۔ یہی وہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا بھی مجھ پر احسان ہے میں نے اس کا بدلہ دے دیا مگر ابوبکر کہ ان کے احسان کا بدلہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی قیامت کے دن مرحمت فرمائیں گے۔

قوّتِ ایمانی

اسماعیلی نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور عرب میں ارتداد کا واقعہ پیش آیا اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ و جانشین لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب سے کام لیجئے۔ اور نرمی کا برتاؤ کیجئے کہ ان پر وحشت غالب ہو رہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تیری مدد کا امیدوار تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں تو تُو بڑا سخت اور متشدد تھا۔ اسلام میں اتنا ضعیف۔ کس چیز سے تالیف قلوب کروں؟ شعر گھڑ کر ان کو سناؤں یا ان پر کچھ جادو کروں۔ افسوس، افسوس۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ وحی منقطع ہو گئی۔ (کہ احکام میں تغیر ہو سکے) واللہ ان سے جہاد کروں گا۔ اس وقت تک کہ میرے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی طاقت رہے۔ اگر ایسی ایک رسّی دینے سے بھی انکار کریں گے۔ جس کو یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوں۔ اور اب مجھے انکار کر دیں تو اس پر بھی قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کو اپنے سے زیادہ پختہ اور پکّا پایا اور انھوں نے لوگوں کو ایسے امور کا عادی بنا دیا جس کی وجہ سے مجھے اپنی خلافت کے زمانہ میں بڑی سہولت ملی۔

خلیفہ وقت کا مُشاہرہ

ابن سعد نے عطار بن السائب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہو گئے تو صُبح کو چند ایک چادریں ہاتھ پر

ڈال کر بازار جا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس دریافت فرمانے پر کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں کے کاموں میں مشغول کر دیا گیا ہوں۔ اہل و عیال کے کھلانے کے لیے بازار جاتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ آؤ ابوعبیدہ کے پاس چلیں جو بیت المال کے خزانچی ہیں۔ وہ ایک آدمی گذارہ کے قابل آپ کے لیے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ انھوں نے عرض کیا جو مقدار ایک مہاجر کے اوسط گذر اوقات کیلئے مقرر کی جاتی ہے وہی آپ کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ مقدار مقرر کر دی گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو مقدار ان کے لیے مقرر کی گئی تھی وہ کثرتِ عیال کی وجہ سے کافی نہ ہوئی تو درخواست پر اس میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔

طبرانی نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرض الموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ دودھ دینے والی اونٹنی اور سالن کا پیالہ اور چادر جو امارت کی وجہ سے مجھے دی گئی تھی میرے مرنے کے بعد حضرت عمر کے حوالہ کر دینا۔ چنانچہ انتقال کے بعد یہ تمام چیزیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دی گئیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ابوبکر! اللہ تم پر رحم کرے کہ تم نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو بڑی مشقت میں ڈال دیا (کیونکہ اس قدر احتیاط ہر شخص سے ہونی مشکل ہے)

انتقال آپ کی پیدائش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے دو سال اور چند ماہ بعد ہوئی اسلئے کہ اتنی ہی مقدار آپ عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے۔ بعض روایات سے آپ کا عمر میں بڑا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کے نزدیک یہ روایات صحیح نہیں۔ بہرحال جب عمر کی یہ کمی پوری ہو گئی اور آپ سنِ شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنِ مبارک کے برابر پہنچ گیا تو آپ کا بھی وصال ہو گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مرض وفات کی نوعیت کیا تھی۔ اور وہ کیا بیماری تھی جس میں آپ نے انتقال فرمایا۔

حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک سوز باطنی طاری ہو گیا جس سے بدن گھلتا رہا۔ حتیٰ کہ وصال ہو گیا۔

اور زہری سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہریلا کھانا ہدیہ کے طور پر دیا گیا تھا جسکو آپ اور حارث بن کلدہ کھا رہے تھے۔ حارث نے کہا اس سے ہاتھ کھینچ لیجئے۔ کیونکہ اس میں سنوی زہر ملایا گیا ہے۔ میں اور آپ ایک ہی دن مریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات سال بھر تک بیمار رہ کر ایک ہی دن میں وصال فرما گئے۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس ذلیل دنیا سے کیا توقع رکھیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زہر دیا

گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ کے مرض کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ، جمادی الثانی دوشنبہ کے روز آپ نے غسل کیا، سردی سخت تھی جس سے آپ کو بخار ہوگیا۔ اور پندرہ روز مسلسل سردی کی وجہ سے شدت سے بخار رہا۔ نماز کے لیے مسجد میں بھی نہ جاسکے۔ اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ سہ شنبہ کی شب میں وصال فرمایا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ آج کیا دن ہے۔ جب معلوم ہوا کہ دوشنبہ ہے تو فرمایا جب میں مرجاؤں تو دفن میں دیر نہ کرنا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس دن ہوا تھا۔ عرض کیا گیا کہ دوشنبہ کو۔ اس پر فرمایا کہ مجھے بھی آج رات تک مرنے کی امید ہے۔

مُدّتِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مُدت دوسال تین ماہ نو دن ہے۔

چند متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ اہلیہ محترمہ نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے فرمایا میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں جو خرید کر کھلاؤں اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روزانہ کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا کچھ بچالیا کریں گے۔ چند روز میں اتنی مقدار ہوجائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی۔ اہلیہ محترمہ نے کئی دن تک چند پیسے جمع کیے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمیں بیت المال سے اتنی مقدار زیادہ ملتی ہے۔ یہ فرما کر جتنا اہلیہ نے چند روز میں جمع کیا تھا اس کو بیت المال میں داخل فرمادیا اور آئندہ کے لیے کہلوادیا کہ میری تنخواہ میں سے اتنے پیسے کم کردیئے جائیں۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک پرندہ درخت کے سائے میں بیٹھا تھا آپ نے اس کو دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور فرمایا۔ مبارک ہو تجھ کو اے پرندے تو درختوں کے پھل کھاتا ہے سائے میں بیٹھتا ہے۔ اور بغیر حساب وکتاب کے قیامت میں نجات پاجائے گا۔ کاش! ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ بسا اوقات فرمایا کرتے تھے کہ اے کاش! میں تو کسی مسلمان بندہ کے پہلو میں اس کا بال بن کر رہتا۔ کبھی فرماتے اے کاش میں درخت ہوتا اور مجھے کاٹا جاتا اور پھر کھا لیا جاتا۔ کبھی فرماتے میں تو گھاس ہوتا جس کو جانور کھا لیتے۔

۳ اصمعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف کی جاتی تو فرماتے اے اللہ تو مجھ سے زیادہ میرا حال جانتا ہے۔ اور میں اپنا حال ان تعریف کرنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھ کو ان کے گمان سے زیادہ اچھا بنادے۔ اور میری جس برائی کو یہ نہیں جانتے اس کو بخش دے اور ان کے کہنے پر میری پکڑ مت کیجیو۔

۴ ایک مرتبہ اپنے زمانۂ خلافت میں ملک شام کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اور ان کو رخصت کرنے کے لیے بہت دور تک گئے۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ پیادہ چل رہے ہیں۔ اور ہم لوگ سوار ہیں۔ فرمایا میں ان قدموں سے اپنی خطائیں بخشوا رہا ہوں۔ یہ میرے قدم اللہ کے راستے میں اٹھ رہے ہیں۔

۵ فرمایا کہ میں پاکی بیان کرتا ہوں اس ذات کی جس نے اپنی مخلوق کے لیے کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا سوائے اس کے اس کی معرفت سے عاجز ہو جائیں۔

۶ فرمایا جو شخص اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے پھر اس کو طلب دنیا کی فرصت نہیں ملتی۔ اور انسانوں سے اس کو وحشت ہوتی ہے۔

۷ مرض وفات میں لوگ عیادت کو آئے اور کہنے لگے اے خلیفہ رسول اللہ کسی طبیب کو آپ کے لیے بلایا جائے فرمایا کہ طبیب تو مجھے دیکھ چکا ہے۔ لوگوں نے پوچھا پھر طبیب نے کیا کہا۔ فرمایا اس نے کہا "انی فعال لما ارید" (میں جو چاہے کروں تو کون؟)۔

۸ ایک مرتبہ ایک شکار آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا جب کوئی شکار مارا جاتا ہے یا کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس نے اللہ کی تسبیح ضائع کردی۔

۹ بسا اوقات اونٹ پر سوار ہوتے اور مہار گر جاتی تو اونٹ کو بٹھلا کر اترتے اور مہار خود اٹھاتے۔ لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہمیں حکم کیوں نہ دیا ہم اٹھا دیتے تو فرماتے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ انسان سے کچھ سوال نہ کروں۔

۱۰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی خطبے میں انسان کی پیدائش کا حال بیان فرماتے تو کہتے کہ انسان دو مرتبہ نجاست سے نکلا ہے (یعنی ایک مرتبہ صلب پدر، باپ کی شرمگاہ سے اور ایک مرتبہ شکم مادر یعنی ماں کی شرمگاہ سے) اس وقت کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنے آپ کو نجس سمجھنے لگتا تھا۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے اے لوگو! خدا کے خوف سے روؤ۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

(۱۲) ایک روز اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ حسین کہاں گئے۔ جن کے چہرے خوبصورت تھے۔ جن کو اپنی جوانی پر ناز تھا۔ وہ بادشاہ کہاں گئے۔ جنھوں نے شہر آباد کیے تھے۔ وہ بہادر کہاں گئے جو میدان جنگ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ موت نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ قبر کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۱۳) فرمایا کرتے تھے خبردار کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے۔ کیوں کہ چھوٹے درجہ کا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بزرگی کو تقویٰ میں پایا اور تونگری کو یقین میں اور عزت کو تواضع میں۔

(۱۵) ایک روز خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ پارسال گرمیوں میں، میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور دُنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرو۔

(۱۶) اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے حق دکھلا اور حق کی پیروی کی توفیق دے اور مجھے باطل کی پہچان دے اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ اور حق و باطل کو میرے اوپر مشتبہ نہ کرنا۔ اور نہ میں ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاؤں۔

(۱۷) اخیر وقت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کوئی درد انگیز حسرت آمیز شعر پڑھا تو فرمایا یہ نہ کہو، بلکہ یہ آیت پڑھ "وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ما کنت منہ تحید" یعنی آگئی غشی موت کی حق کے ساتھ۔ یہی وہ چیز ہے جس سے او انسان تو بھاگتا تھا۔

(۱۸) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ وہ غلام کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے نفس سے ناراض ہوا اس کو اللہ پاک اپنی ناراضگی سے امن میں رکھے گا۔

(۱۹) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی سمجھداری تقویٰ ہے اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے اور سب سے بڑھ کر سچائی امانت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جھوٹ خیانت ہے۔

(۲۰) جب کسی کو نصیحت کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو میری وصیت مانے تو کوئی چیز جو غائب ہو، موت سے زیادہ محبوب نہ رکھنا کہ وہ تو ہر حال میں آنے والی ہے۔

(۲۱) فرمایا کرتے تھے کہ آدمی جب دُنیا کی زینتوں میں سے کسی زینت کی چیز پر اترانے لگے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک ناراض رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس زینت کی چیز سے بالکلیہ علیحدہ نہ ہو جائے۔

تذکرہ خلیفہ ثانی

۲ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کی ہی تعیین سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ وجانشین قرار پائے۔اور امت کی ہر نوع کی ظاہری و باطنی ترقیات کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول خلافت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض نے شدت پکڑی اور وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم کو بلایا اور فرمایا کہ آپ دیکھ رہے ہو کہ میری حالت کیا ہو رہی ہے اور کسی آدمی کا تعین جو میرے بعد تمھارے امور کا انتظام کرے ضروری ہے اگر تمھاری رائے ہو تو تم آپس میں کسی کو مشورہ سے طے کر لو اور اگر تمھاری رائے ہو تو میں انتخاب کر دوں۔عرض کیا کہ آپ ہی انتخاب فرما دیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کا فرمان لکھوایا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کیا کہ میں اس کام کا تحمل نہیں کر سکتا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میری تلوار لاؤ (کیونکہ انھوں نے خلیفہ رسول اللہ کا حکم نہیں مانا) اور ان کو خوب ڈانٹا۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجبوراً خلافت کرنے پر مجبور ہوئے۔

اس کے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور انھوں نے اس تجویز منصب پر تنقید کی۔اس پر فرمایا کہ عمر بخدا تمھارے لیے بہترین آدمی ہیں۔اور تم ان کے لیے بدترین آدمی ہو۔یہ فرما کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوب ڈانٹا اور ان کو نکال دیا۔اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ پروانہ لکھوایا۔" یہ عہد نامہ ہے جس کو ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت میں لکھوایا جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور سفر آخرت شروع کر رہا ہے میں نے تمھارے لیے اپنے بعد عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا۔اگر وہ نیکوکار رہے اور انصاف کرتے رہے تو ان کے بارے میں میرا یہی حسن ظن ہے اور اگر ان میں کوئی تغیر و تبدل ہو گیا تو مجھ کو غیب کا علم نہیں۔میں نے اپنے خیال میں تمھارے لیے (اس انتخاب کے ذریعہ) بھلائی اور بہترائی کی ہے اور جو کوئی آدمی گناہ کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔ (صبح الاعشیٰ ص ۳۴۹ ج ۹)۔

ترجمہ: اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا کہ کس کروٹ الٹتے ہیں (آیۃ ۲۲۸ سورۃ الشعراء)

اسمِ گرامی و نسب

آپ کا اسمِ گرامی عمر ہے اور لقب فاروق ابوحفص کنیت ہے۔ یہ لقب اور کنیت دونوں دربارِ نبوی سے مرحمت ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔

عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب القرشی العدوی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب بن لوی پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت واقعۂ فیل سے تیرہ ۱۳ سال بعد ہوئی۔ ستائیس ۲۷ سال کی عمر تھی کہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے چالیس ۴۰ مرد اور گیارہ عورتیں اسلام میں داخل ہو چکیں تھیں۔

قبولِ اسلام

حضرت عمر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز کفار کی مجلس منعقد ہوئی جس میں یہ سوال اٹھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کون قتل کر سکتا ہے؟ عمر نے کہا کہ یہ کام میں انجام دوں گا۔ یہ کہہ کر تلوار اٹھائی اور چل دیئے۔ راہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص ملے۔ دریافت کیا عمر کہاں جا رہے ہو۔ کہنے لگے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ) حضرت سعد نے فرمایا بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو عبد مناف تم کو اس کے بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جملہ کو سُن کر غصہ آگیا اور فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بددین یعنی مسلمان ہے۔ آ پہلے تجھ کو ختم کر دوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہوں تلوار نکالی۔

ایک دوسرے پر حملہ ہونے ہی کو تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے۔ عمر پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تیری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ سُن کر طیش میں آ گئے اور فوراً اپنی بہن کے گھر گئے دیکھا کواڑ بند ہیں اور حضرت خباب[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھا رہے ہیں۔ آواز سُن کر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مکان ہی میں چھپ گئے۔ وہ صحیفہ جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں جلدی میں باہر رہ گیا۔ بہن نے کواڑ کھولے اس وقت حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ جسے پوری قوت سے بہن کے سر پر دے ماری خون بہنے لگا فرمایا اپنی جان کی دشمن تو بھی بددین ہو گئی۔ اندر گھر میں آکر دریافت کیا۔ کیا کر رہے تھے یہ آواز کیسی تھی؟ کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ فرمایا اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا۔ بہنوئی نے کہا کہ اگر وہ دین برحق ہو تو کیا حرج ہے۔

یہ سُننا تھا کہ ان پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا بہن نے آگے بڑھ کر بچانے کی

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ "حکایات صحابہ" میں بھی ملاحظہ کیا جائے۔ ۱۲

[2] حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ "حکایات صحابہ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۲

کوشش کی تو انکے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ خون نکل آیا۔ یہ بھی آخر کار عمر کی بہن تھیں۔ کہنے لگیں عمر کیا ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم اسلام لے آئے یقیناً ہم اسلام لے آئے جو تم سے ہو سکے وہ کر لو۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اس صحیفۂ قرآن پر پڑ گئی جو باہر ہی رکھا تھا۔ کہنے لگے کہ مجھے بھی دکھلاؤ اس میں کیا لکھا ہے۔ بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور ناپاک آدمی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حضرت عمر نے بہت اصرار کیا مگر بہن نے بغیر وضو و غسل کے وہ صحیفہ ہاتھ میں نہیں دیا۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور صحیفہ اٹھایا تو اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی" اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری" (پ۱۶) ترجمہ: میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو تو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یادگیری کو۔ تک پڑھا تھا کہ حالت بدل گئی۔ فرمانے لگے۔ مجھے بھی دربارِ نبوی میں لے چلو۔

یہ بات سُن کر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر سے نکلے اور فرمایا۔ اے عمر کل شب پنجشنبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی تھی کہ اے اللہ! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس کو اسلام کی توفیق عطا فرما۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا آپ کے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عمر دربارِ نبوی میں پہنچے اور جمعہ کے دن صبح کو اسلام لائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت۔

ہجرتِ عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت کا واقعہ بھی کافی عجیب ہے جس سے ان کی شجاعت اور بہادری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل ہر شخص نے خفیہ طریقہ سے ہجرت کی مگر جب حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی تو اس شان کی کہ تلوار گلے میں ڈالی اور کمان ہاتھ میں لی، بڑی تعداد میں تیر ساتھ لیئے۔ سب سے پہلے مسجد میں اطمینان سے طواف کر کے نماز پڑھی۔ پھر کفار کے مجمع کی طرف گئے اور فرمایا جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اسے روئے۔ اس کی بیوی رانڈ ہو۔ بچے یتیم ہوں وہ مکہ سے باہر آکر عمر کا مقابلہ کرے۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ آکر مقابلہ کرتا۔ لیکن اس شجاعت اور بہادری کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حیرانگی اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اپنے رب سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ آپ کے کمالات اجماعی ہیں۔ ایسے بہت سے امور ملیں گے جو مسلمانوں کے یہاں

اجماعی ہیں۔ لیکن بہت کم ایسے واقعات ملیں گے جن پر کافر و مسلم سب ہی متفق ہوں۔ ہاں حضرت عمر کے کارناموں میں اس کی مثالیں تلاش کرنا چاہو تو ہزاروں واقعات ملنا بھی مشکل نہیں۔

اَوصاف وکمالات

آپ کی سمجھ، ذکاوت، ذہانت، بیدار مغزی، انتظام سلطنت، سیاست و رعب اور عدل وانصاف آج دشمنوں کی زبان پر بھی جاری ہیں۔ مگر بدیں دبدبہ وہیبت آپ کے زہد و فقر کی نظریں بھی بکثرت ہیں۔ مثالاً چند واقعات پر اکتفا کرتا ہوں کہ احصار نہ ممکن، نہ ہی پڑھنے کو فرصت۔

(۱) آپ کی زندگی باآں جاہ وجلال جو شہرۂ آفاق ہے نہایت فقیرانہ تھی۔ کُرتے میں تین تین، چار چار پیوند ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے تمام کُرتے کے پیوند شمار کیے تو چودہ تھے۔ بسا اوقات پیوند لگانے کے لیے کوئی کپڑا نہ ملتا تو چمڑے کے ٹکڑے ہی کا پیوند لگالیا جاتا۔ ایک مرتبہ قمیص میں دونوں مونڈھوں کے درمیان چار پیوند لگ رہے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سترہ پیوند ان کے لباس میں شمار کیے۔

(۲) دستر خوان پر دو سالن کبھی نہ جمع ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ صاحبزادی حضرت صفیہ نے سالن ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اس پر گھی ڈال دیا تو آپ ناراض ہوئے کہ ایک ہی برتن میں دو سالن کر دیئے۔

(۳) ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف آوری میں دیر ہوئی تو تاخیر کی یہ معذرت فرمائی کہ کپڑا کوئی اور نہیں تھا اس لیئے اسی کو دھویا جس میں دیر لگ گئی۔

(۴) ایک مرتبہ فرمایا کہ حساب کا اگر خوف نہ ہوتا تو بھنا ہوا گوشت کھاتا۔

(۵) جن لوگوں کو حج کی زیارت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ عرب میں گرمی اور شدت دھوپ کی کیا حالت ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک کسی منزل پر خیمہ وغیرہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ کیکر وغیرہ کے سائے میں آپ کے لیے چمڑہ بچھا دیا جاتا اسی پر آرام فرمالیتے۔

(۶) آپ کے زمانہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا اور نو ماہ تک رہا۔ اس پر آپ نے گھی اور گوشت کھانا ترک فرمادیا کہ غرباء کو تو میسر نہ ہو اور میں کھاؤں۔ اور قسم کھالی کہ زیتون کے تیل کے سوا کسی چیز سے روٹی نہ کھاؤں گا حتی کہ زیتون کا تیل بکثرت استعمال کرنے کی وجہ سے چہرۂ انور پر اثر آگیا تھا اور اسی قحط میں دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے ہاتھوں امت کو ہلاک نہ فرما۔ گھروں میں جاکر لوگوں سے ان کی ضروریات دریافت فرماتے اور تاکید کرتے کہ اپنی ضروریات کو مجھ سے بیان کیا کرو۔

⑦ رونے کی یہ حالت تھی کہ گریہ زاری کی وجہ سے چہرہ پر آنسوؤں کی دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں نماز میں خوف سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ پیچھے تین صفوں تک رونے کی آواز جایا کرتی تھی۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بعض آیات پر رونے سے اتنا غلبہ ہوتا تھا کہ روتے روتے دم گھٹنے لگتا تھا بعض مرتبہ گر جایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کاش میں بجائے آدمی ہونے کے ایک بکرا ہوتا کہ مجھے ذبح کر کے کھا لیا جاتا بعض اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لے کر فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔

⑧ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمھاری دنیا کو نقصان پہنچ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھاری آخرت کو نقصان پہنچے۔ یتیموں اور بیواؤں کے لیے چمڑہ کے تھیلہ میں آٹا بھر کر اپنی کمر پر لاد کر لے جاتے۔ اگر کوئی درخواست کرتا کہ میں اٹھاؤں تو فرماتے قیامت کے دن میرے گناہوں کو کون اٹھائے گا۔

⑨ آپ کا مقولہ تھا کہ کاش میں دُنیا سے ایسی حالت میں جاؤں کہ وہاں نہ مجھے کوئی اجر ملے نہ مجھ سے کوئی مطالبہ ہو۔

⑩ ابتدا مزاج میں بہت سختی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ابتدا خلافت فاروقی میں لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا۔" لوگو! میں اس وقت تک سخت تھا۔ جب تک تم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نرم اور مہربان تھے۔ میری سختی اور ان کی نرمی مل کر اعتدال پیدا کر دیا کرتی تھیں۔ مگر اب میں تم پر تشدد نہ کروں گا، بلکہ میری سختی صرف ظالموں کے لیے ہے۔ اے لوگو! اگر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کی مخالفت کر کے کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے۔ جب کئی مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا تو ایک آدمی تلوار لے کر کھڑا ہوا اور ہاتھ سے اشارہ کرتے کہا "فعلنا **ھکذا**" یعنی ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے۔ اس جملہ سے آپ پر ذرا بھر اثر نہ ہوا بلکہ خوش ہوئے۔

جب ملک شام گئے تو بوسیدہ لباس زیب تن فرما رکھا تھا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ آج یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء زیارت کرنے آئیں گے ان کو کیا خیال گذرے گا؟ فرمایا ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دے رکھی ہے۔ لباس سے ہماری عزت نہیں ہوتی۔

یہ واقعات ہیں آپ کے زہد کے اللہ کے ساتھ خوف کے اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان کے۔ ورنہ جنت کی بشارت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بہت پہلے سُن چکے تھے اور اس مبشر بالجنت ہونے کے باوجود خوفِ حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو میرا نام منافقین میں نہیں فرمایا کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے نام بتلا رکھے تھے۔

اِنتقال فجر کی نماز میں ابو لولو مجوسی نے آپ پر حملہ کیا۔ زخم کاری لگا جس سے ہر وقت خون بہتا تھا اور کبھی غفلت بھی ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود جب نماز کے لیے کہا جاتا تو اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور فرماتے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ یکم محرم ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپکا سر صاحبزادے حضرت عبداللہ کی ران پر رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ فرمایا اگر ران پر ہی رہے تو کیا مضائقہ ہے مگر اصرار کے بعد اپنا سر زمین پر رکھوا لیا۔ اور فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میرے لیے ہلاکت ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

خلافت کی کل مدت دس سال چھ ماہ پانچ دن ہوئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

یا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

مُتفرَق واقعاتَ

(۱) تواضع کی صفت آپ میں اس قدر تھی کہ اس کا اندازہ کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے۔ عرب وعجم کا بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا فرمانروا اور اس میں اس قدر تواضع۔

خلیفہ ہونے کے بعد منبر پر جو گئے تو منبر کے اس زینے پر بیٹھے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں رکھتے تھے لوگوں نے کہا اوپر بیٹھ جایئے تو فرمایا میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے اس مقام پر جگہ مل جائے جہاں صدیق کے پاؤں رہتے ہوں۔

(۲) ایک روز خطبے میں فرمایا۔ اے لوگو! عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھا کرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں سے زیادہ مہر اگر ہوگا تو میں اس سے زیادہ مقدار کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کردوں گا۔ ایک بڑھیا بول اٹھی کہ آپ کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "واٰتیتم احدٰھن قنطارًا فلا تاخذوا منه شیئًا" (پ سورۃ النساء) اے شوہرو اگر تم اپنی بیویوں کو بہت سارا مال دے دو تو پھر اس میں سے کچھ واپس نہ لو) بس اس کو سن کر منبر سے یہ کہتے ہوئے اتر آئے۔" کل الناس اعلم من عمر حتی العجائز" یعنی سب لوگ عمر سے زیادہ علم رکھتے ہیں حتیٰ کہ بڑھیا بھی۔

(۳) کھانے کا یہ حال تھا کہ اس وقت کوئی ادنیٰ شخص بھی اس کھانے کو بہ رغبت نہ کھا سکتا تھا حضرت ابوموسےٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین روٹیاں آپ کے لیے آتی تھیں جن میں کبھی روغن زیتون لگا ہوا ہوتا تھا کبھی روٹیوں کے ساتھ دودھ ہوتا تھا۔ اور کبھی سکھایا ہوا گوشت جو کوٹ کر ابال لیا جاتا تھا۔ اور کبھی تازہ گوشت بھی ہوتا تھا۔

(۴) ایک مرتبہ عراق سے کچھ مہمان آپ کے پاس آئے جن میں حضرت جریر بن عبداللہ بھی تھے ان لوگوں سے آپ کا کھانا نہیں کھایا گیا۔

لباس کا یہ حال تھا کہ سال بھر دو ہی جوڑے بیت المال سے لیتے تھے وہ بھی کسی موٹے اور کھردرے کپڑے کے اور وہ بھی جب پھٹ جاتے تو ان میں پیوند لگاتے تھے اور پیوند بھی کبھی چمڑے کے اور کبھی ٹاٹ کے۔

(۵) قیام بیت المقدس کے زمانے میں آپ کا کرتہ پشت کی جانب سے پھٹ گیا تو آپ نے کسی کو دیا کر دھو دے اور پیوند لگا دے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور اچھے کپڑے کا نیا کرتہ بھی آپ کیلئے

بنا دیا گیا اور دونوں آپ کے سامنے پیش کیئے گئے۔ آپ نے کُرتہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ یہ بہت نرم کپڑا ہے اور واپس کر دیا اور فرمایا کہ میرا وہی کُرتہ اچھا ہے۔ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

(۶) ایک روز خلاف معمول گھر میں زیادہ دیر تک رہے۔ جب باہر نکلے تو فرمایا کہ دیر اس وجہ سے ہوئی کہ میرے کپڑے میلے ہو گئے تھے ان کو میں نے دھویا جب وہ خشک ہو گئے تو پہن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ (کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اس کو پہن لیتے)

(۷) ایک مرتبہ تقریباً پچاس ۵۰ صحابہ کرام جو مہاجرین میں سے تھے مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔ ان میں باہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد کا تذکرہ تھا۔ کہنے لگے دیکھو تو کسریٰ وقیصر کی سلطنت جس کے قبضہ میں ہے مشرق ومغرب میں جس کا حکم چل رہا ہے۔ عرب وعجم کے وفود جس کے پاس آتے ہیں اور اس کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے لباس میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں ان سے کہنا چاہیئے کہ وہ اس لباس کو بدل دیں۔ اچھا کپڑا پہنا کریں کہ عمدہ لباس سے بھی ایک ہیبت ہوتی ہے اور کھانے کا بھی کوئی عمدہ انتظام کیا جائے۔ دونوں وقت وسیع دستر خوان بچھا کرے۔ اور مہاجرین وانصار جو ان سے ملنے آتے ہیں وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کریں۔

لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ کہتا۔ آخر سب کی رائے ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا چاہیئے۔ وہ ان کے خسر ہیں وہ ان سے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں ایسی بات ان سے نہ کہوں گا۔ امہات المومنین سے کہلوانا چاہیئے۔ احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ لوگ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس گئے دونوں ایک ہی جگہ مل گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھا میں کہوں گی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ مانیں گے نہیں۔ مگر لوگوں کے اصرار سے دونوں ام المومنین تشریف لے گئیں اور بڑی اچھی تمہید کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں گفتگو کی۔ آپ سُن کر رونے لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی معیشت ذکر کر کے ان دونوں کو بھی رُلایا۔ اور فرمایا کہ سنو! میرے دو صاحب تھے میں نے ان کو جس حالت میں دیکھا ہے اگر میں اس حالت کے خلاف اختیار کروں تو پھر مجھ کو ان کا ساتھ نصیب نہیں ہو سکتا۔

یہی حالت حضرت فاروق کی آخیر وقت تک رہی ذرا تغیر نہ ہونے دیا۔

(۸) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز بیت المال میں جھاڑو دی تو ایک درہم ملا۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی پوتے کو جو بالکل بچے تھے دے دیا۔ آپ نے بچے کے ہاتھ

میں درہم دیکھ کر پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے ابو موسیٰ نے دیا ہے۔ اس پر بہت ناخوش ہوئے اور وہ درہم واپس کر کے حضرت ابو موسےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ابو موسیٰ ہمارے گھر سے زیادہ کوئی گھر تم کو ذلیل معلوم نہیں ہوا۔

ایسا ہی ایک واقعہ آپ کی پوتی کا بھی ہے کہ وہ درہم کو مُنہ میں رکھ کر روتی ہوئی بھاگیں مگر آپ نے مُنہ میں انگلی ڈال کر نکال لیا۔

(۹) آخر میں پے در پے روزے رکھا کرتے تھے۔ سوا ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ حرام ہے کسی دن ناغہ نہ کرتے تھے۔ حج کے لیے اپنی خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۳ھ میں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اس کے بعد پھر ہر سال خود تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اپنی خلافت میں دسؔ حج کیئے اور ۲۳ھ میں جو ان کی خلافت کا آخری سال تھا ازواج مطہرات کو بھی حج کرانے لے گئے تھے۔ (طبقات جلد ۳) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں تین عمرے ادا کیئے۔ ایک رجب ۱۷ھ میں دُوسرا رجب ۲۱ھ میں، تیسرا رجب ۲۲ھ میں (طبقات جلد ۳)

(۱۰) خشیتِ الٰہی اور خوفِ آخرت کی یہ حالت تھی کہ شاید اس صفت میں کوئی ان کا مساوی نہ نکلے۔ ایک روز سورۂ اذا الشمس کورت تلاوت کر رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے واذا الصحف نشرت تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی دن تک ایسی حالت رہی کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔ ایک دن کسی گھر کی طرف گذر ہوا وہ شخص نماز میں سُورۂ والطور پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچے "اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ" تو سواری سے اترے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اس کے بعد اپنے گھر آئے تو ایک مہینے تک بیمار رہے۔ لوگ دیکھنے کو آتے تھے اور بیماری کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

(۱۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقام پر لشکر بھیجا اس لشکر کے سردار حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی ایک شخص تھے جب وہ لشکر وہاں پہنچا اور مقابلہ ہوا تو دشمن نے دھوکہ دینے کی یہ تدبیر نکالی کہ ایک پہاڑ کی کھو میں کچھ لوگ متعین کر دیئے تا کہ عین موقعہ پر کام دیں۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو قریب تھا کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دھوکہ کھا جائیں اور مغلوب ہو جائیں اتنے میں آواز آئی یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف سے ہوشیار رہو۔ یہ آواز سُن کر وہ ہوشیار ہو گئے۔ یہ آواز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے دی تھی جس کو انھوں نے سینکڑوں میل سے سُنا۔

(۱۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منوّرہ میں رات کو گشت فرمایا کرتے تھے اور پہرہ دیا کرتے تھے ایک مرتبہ شب میں چلتے چلتے تھک گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت سُنا کوئی عورت اپنی لڑکی

سے کہہ رہی تھی کہ دُودھ میں پانی ملا دے ۔ لڑکی نے جواب دیا۔ اماں جان آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین کا کیا حکم ہے؟ ماں نے کہا کیا حکم ہے؟ کہا امیر المومنین نے اعلان کرایا ہے کہ کوئی شخص دُودھ میں پانی نہ ملائے ماں نے کہا کہ پانی ملا دے یہاں پر تجھے نہ عمر دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی ان کا منادی۔ لڑکی نے کہا۔ خدا کی قسم میں ایسا ہر گز نہ کروں گی کہ سامنے تو امیر المومنین کی اطاعت کروں اور ان کے پیچھے ان کی نافرمانی۔

۱۳ ایک مرتبہ حضرت عتبہ ابن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی غذا کی نسبت کچھ کہا آپ نے فرمایا تجھے افسوس ہے کیا میں اپنے حصہ کی نعمت دنیا میں کھالوں اور اس سے فائدہ بھی حاصل کروں۔

۱۴ حضرت عبید اللہ بن عمران بن حفص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی کی مشک بھر کر اپنے کندھے پر اٹھائی اس کے متعلق لوگوں نے کچھ کہا تو فرمایا مجھے اپنا نفس اچھا نظر آنے لگا اس لیے میں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا۔

۱۵ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی لڑکا کنگھی کرکے اور عمدہ کپڑے پہن کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے یہاں تک دُرّے سے مارا کہ وہ رونے لگا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا کہ آپ نے اسے کیوں مارا۔ فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے نفس پر اترا رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کے نزدیک اس کا نفس ذلیل و خوار ہو جائے۔

۱۶ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال سے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ انھیں مجھے خواب میں دکھلا دے۔ چنانچہ ایک سال بعد میں نے انھیں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے تھے۔ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اے امیر المومنین تمھاری کیا حالت ہے۔ فرمایا ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ قریب تھا کہ عمر کا تختہ ٹوٹ جاتا اور ویران ہو جاتا مگر میں نے اللہ کو بڑا رحیم پایا۔

۱۷ ایک مرتبہ ایک مست آدمی کو دیکھ کر چاہا کہ اس کو سزا دیں اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ لوٹ آئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے بُرا کہنے پر اس کو کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا اس کے بُرا بھلا کہنے کی وجہ سے مجھے اس پر غصہ آیا۔ اگر میں اس کو مارتا تو اپنے نفس کا غصہ بھی لگاؤ رہتا اور مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ کسی مسلمان کو اپنے نفس کی حمیت و غیرت کی وجہ سے ماروں۔

۱۸ جب کسی آدمی کے بدن پر باریک کپڑا دیکھتے تو اپنا دُرّہ لے کر اس کی پٹائی شروع کر دیتے اور فرماتے کہ یہ باریک کپڑے عورتوں کے لیے رہنے دو۔

۱۹ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور دعا ہے کہ اے اللہ اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مجھے موت عطا فرما اور اپنے راستہ کی شہادت عطا فرما۔

یہ چیز بموجب حیرت تھی کہ مدینہ منورہ جو اسلام کا دارالخلافہ ہے اس میں شہادت کس طرح مل سکتی ہے مگر دل سے نکلی ہوئی دُعا کو مسبب الاسباب کے لیے پورا کرنا کیا مشکل تھا۔ کہ عین نماز کے وقت مصلے پر جاں نثاروں کے درمیان میں شہادت عطا فرمائی۔

۲۰ ایک مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے کر ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھائی مجھے بھی دُعا میں یاد رکھنا۔

۲۱ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ دُرّہ لے کر مذبح میں تشریف لے جاتے اور جس کو دیکھتے کہ متواتر دو روز تک گوشت خریدنے آرہا ہے تو اس کی دُرّہ سے خبر لیتے اور فرماتے کہ اپنے پیٹ کو اپنے پڑوسی اور رشتہ داروں کے لیے خالی نہیں رکھا جا سکتا مطلب یہ کہ پڑوسیوں کی بھی ضرورت پوری کرتے رہا کرو۔ ہر وقت اپنے ہی پیٹ کے دھندے میں نہ لگے رہا کرو۔

۲۲ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حساب کا خوف نہ ہوتا تو بھنا ہوا بکرا کھاتا۔

بسا اوقات کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا تو اس کو ایک ایک سال تک ٹلائے رکھا کرتے تھے۔

۲۳ جب کسی کوڑی پر گذر ہوتا تو فرماتے یہ ہے تمھاری وہ دُنیا جس کی حرص میں تم مرے جاتے ہو اور اس پر رتجھتے ہو۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

یارب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

تذکرہ خلیفہ ثالث

۳ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

یہ خلیفہ ثانی کے بعد تیسرے خلیفہ ہیں جو اہل مشورہ کی قرارداد کے مطابق غرہ محرم ۲۴ھ شنبہ کے روز مسند خلافت پر مستقر و متمکن ہوئے۔

حافظ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ واقعہ فیل سے چھ سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام قبول کرتے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کیا۔

اسم مبارک و لقب

آپ کا اسم مبارک عثمان تھا اور لقب ذوالنورین۔ اور یہ لقب اس لیے تھا کہ دو نور آپ کے نکاح میں جمع ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم سے یکے بعد دیگرے آپ کا نکاح ہوا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دوں۔ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی سنہ ۹ھ میں انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اگر کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

نسب عالی

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ ابن عبدالشمس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔ اس طرح پر کہ عبد مناف کے دو لڑکے تھے۔ ایک کی اولاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسرے لڑکے کی اولاد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اوصاف و کمالات

حیاء و شرم کا مصدر و مخزن آپ کی ذات تھی۔ بند مکان میں غسل کرتے وقت بھی حیاء کی وجہ سے آپ کا کپڑا نہیں اترتا تھا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف تشریف فرما رہتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان کی تشریف آوری پر

ان کی حیا کی وجہ سے حضور کو اپنے کپڑوں کا بھی اہتمام رہتا تھا۔

کثرتِ تلاوت، کثرتِ عبادت آپ کا خاص حصّہ تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے جس روز شہید ہوئے۔ اس دن بھی روزہ تھا۔ تمام رات تلاوت فرماتے تھے۔ شب کے اوّل حصّہ میں تھوڑی سی دیر سوتے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن پاک ختم فرمالیا کرتے تھے۔ باوجود نہایت مالدار ہونے کے آپ کا لباس اکثر نہایت معمولی ہوتا تھا۔ لنگی چار، پانچ درھم کی ہوتی تھی۔ ایک درھم تقریباً ساڑھے تین آنہ کا ہوتا ہے لیکن صدقہ وخیرات کرنے میں بڑا کشادہ دل رکھتے تھے معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے۔ اگر کسی جمعہ کو اس معمول میں فرق آجاتا تو اگلے جمعہ کو اس کی قضا فرماتے۔

مالی امداد

غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی مشکلات پیش آئیں۔ وہ قریب قریب سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ اس غزوہ کا نام جیش العسرہ مشہور ہوگیا۔ اس موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کے لیے اسباب مہیّا کرے گا اس کو جنت ملے گی۔ آپ نے ایک ہزار اشرفیاں لاکر پیش فرمادیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ ان اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دُوسرے ہاتھ میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ "عثمان آج کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔

مناقب

(۱) آپ کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لیے کوئی ساتھی ہوتا ہے میرے ساتھی جنت میں عثمان ہوں گے۔

(۲) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عثمان وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت لُوط کے بعد مع اپنے اہل وعیال کے ہجرت کی۔

(۳) ایک غزوہ میں مسلمانوں کی امداد کے لیے بہت کچھ سامان دیا جس میں خورد ونوش کی بہت سی چیزیں تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھاکر تین مرتبہ یہ فرمایا۔ اے خدا میں عثمان سے راضی ہوں تُو بھی ان سے راضی رہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر صحابہ نے بھی یہی دُعا مانگی۔

وفات

حضرت عُثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مُدّت بارہ دن کم بارہ سال ہوئی اور اٹھارہ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوگئے۔ جس وقت شہید ہوئے۔ تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول تھے۔ خون بہہ کر قرآن شریف کی اس آیت پر گرا" فسیکفیکھم اللہ وھو

السمیع العلیم۔ ترجمہ: پس کافی ہے میری طرف سے انکو اللہ اور وہی ہے سننے جاننے والا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع بہت پہلے دے چکے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کے متعلق صحابہ کرام سے تذکرہ کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں ظلماً قتل ہوگا۔

ترمذی شریف ہی کی ایک دوسری روایت ہے۔ اس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

مُتفرِق واقِعات

(۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا آپ نے اس سے فرمایا میں نے تیرا کان مروڑا تھا۔ اس لیے تو مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔ اُس نے آپ کا کان پکڑا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سختی کر کس قدر اچھا دنیا میں بدلہ ہے کہ اس کے بعد آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہیں۔

(۲) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے پاس کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ غزوۂ تبوک میں جانے والوں کی امداد کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں دس ہزار اشرفیاں بھیج دیں۔ قاصد نے لاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ اپنے دستِ مبارک سے انھیں اوپر نیچے کرتے رہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ دُعا فرماتے رہے۔ اے عثمان اللہ تیری مغفرت فرمائیں۔ اللہ تیرے ان گناہوں کو جو تو نے چھپ کر کیے یا ظلم کھلا کیے یا جن کو تو نے مخفی رکھا اور وہ گناہ جو آئندہ تجھ سے قیامت تک سرزد ہوں سب کو معاف فرمائے۔

(۳) ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص کون ہے جو مسلمانوں کے لیے بیر رومہ خرید کر عام مسلمانوں کو اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ قیامت میں اس کو سیراب فرمائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) درھم میں خرید لیا اور عام مسلمانوں پر وقف کر دیا۔

(۴) عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے اس کی قیمت چار، پانچ درھم سے زیادہ نہ ہوگی۔

(۵) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور سنگریزوں کے نشانات انکے پہلو میں بن گئے تھے لوگ کہتے تھے کہ امیر المومنین اور اس حالت میں رہتے ہیں؟

(۶) ایک روز ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور راستہ میں کسی اجنبی عورت پر اسکی نظر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے

ایک شخص نے کہا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ فراستِ ایمانی سے یہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ بندگی اس کو کہتے ہیں کہ احکام الٰہی کی حفاظت کرے اور جو عہد کسی سے کرے اس کو پورا کرے۔ اور جو کچھ اس کو مل جائے اس پر راضی ہو جائے۔ اور جو نہ ملے اس پر صبر کرے۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا کی فکر کرنے سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اور آخرت کی فکر کرنے سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ متقی کی علامت یہ ہے کہ اور سب لوگوں کو تو سمجھے کہ وہ نجات پا جائیں گے اور اپنے آپ کو سمجھے کہ ہلاک ہو گیا۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا جس کے لیے قید خانہ ہو قبر اس کے لیے باعثِ راحت ہوگی۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفرِ آخرت کی کچھ تیاری نہ کرے۔

(۱۲) فرمایا کرتے تھے کہ تمھارے دل اگر پاک ہو جائیں تو کبھی قرآن شریف کی تلاوت یا سماعت سے سیری نہ ہو۔

(۱۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گذر مقام حش کوکب میں ہوا تو آپ وہاں کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ عنقریب کوئی نیک شخص یہاں دفن ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس مقام پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کیے گئے۔

(۱۴) مہمانوں کو بیت المال سے کھانا کھلاتے تو خود اس میں شرکت نہ فرماتے بلکہ مکان پر پہنچ کر سرکہ سے کھانا کھاتے۔

(۱۵) جب قبرستان پر گذر ہوتا تو خوب روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے ذکر تذکرہ سے روتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا تو اس کے لیے آگے کی ساری منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں نجات نہ ملی تو اگلی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرمایا کہ میں نے قبر سے زیادہ ہولناک منظر اور کسی چیز کا نہیں دیکھا۔

تذکرہ خلیفہ رابع

④ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرم اللہ وجہہ

۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ ہی کا ذکر خیر اس جگہ مقصود ہے کہ سلاسل چشتیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض کا ظاہری سلسلہ آپ ہی سے ہے۔

نسب عالی اسم مبارک و لقب

آپ کا نام علی کنیت ابو تراب اور ابو الحسن ہے۔ لقب اسد اللہ ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے۔ علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، اور تیسری پشت میں یعنی عبد المطلب پر جا کر آپ کا نسب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ عجیب اتفاق بلکہ عجیب معجزہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے جو شخص جتنا دُور ہے وہ اتنا ہی خلافت کے اعتبار سے قریب ہے۔ اور نسب کے لحاظ سے جو شخص جتنا قریب ہے۔ خلافت میں اتنا ہی دُور ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے موافق آپ کی ولادت نبوت سے دس سال قبل ہوئی۔ اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی گود میں پرورش پائی۔ اس لحاظ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاق اور عادات، طاعات و عبادات میں جتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کو تلبس اور اتصال رہا ہے دُوسری جگہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ ان چند خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھیں بچپن میں ہی اسلام لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ مورخین نے آٹھ، نو، دس سال کی عمر کا ہونا بیان کیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔

فضیلت و مناقب

آپ کے مناقب بہت ہی کثرت سے منقول ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا مقولہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کے مناقب جتنے منقول ہیں کسی

دوسرے صحابی کے اتنے مناقب منقول نہیں بعض مشائخ نے اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ بنوامیہ کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ سے لوگوں کو بغض تھا۔ اس لیے اس کی تردید کی وجہ سے علمائے حق آپ کے مناقب کی روایات بکثرت نقل فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے امام نسائی وغیرہ کو آپ کے فضائل میں مستقل رسائل تصنیف فرمانے کی ضرورت ہوئی۔ شجاعت، بہادری اور معرکوں میں گھس جانا آپ کی مخصوص صفات ہیں۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کی نشر و اشاعت آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔

غزوۂ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حبُّ اللہ اور حبُّ الرسول کا پروانہ ملا۔ جس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس غزوہ میں ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل کو جھنڈا ایسے شخص کو ملے گا جو اللہ اور اس کے رسُول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسُول بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس ارشاد کے بعد باوجودیکہ حضرت علی کی آنکھیں آشوب کرتی تھیں پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا آپ ہی کو مرحمت فرمایا اور آشوب کے لیے اپنا لعاب مبارک لگا دیا جس سے وہ اچھی ہو گئیں۔

خوف و خشیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ عبادت و اطاعت میں خوف و خشیتِ الٰہی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان کے اس سلسلہ کے بہت سے واقعات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ عادت شریفہ تھی کہ جب نماز کا وقت آتا تو بدن میں کپکپی دوڑ جاتی، چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے آسمانوں اور زمین و پہاڑ پر اتارا مگر وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

کمیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ چلا وہ ایک قبرستان میں پہنچے اور ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے مقبرہ والو! بوسیدگی والو، اے وحشت اور تنہائی والو کیا حال ہے۔ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد اموال آپس میں تقسیم کر لیے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں۔ بیویوں نے دوسرے شوہر کر لیے۔ یہ تو خبر ہماری ہے کچھ اپنی بھی کہو۔ اس کے بعد حضرت کمیل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اگر ان کو بات چیت کی اجازت ہوتی تو یوں کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرما کر خوب روئے اور فرمایا اے کمیل قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت اپنی زندگی کے کیے ہوئے اچھے اور بُرے اعمال معلوم ہو جاتے ہیں۔

حادثۂ انتقال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ ۳۵ھ میں خلیفہ بنائے گئے اور تین دن کم پانچ سال خلیفہ رہے۔ ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن بن مُلجم کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہوئے

واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد مکہ معظمہ میں تین خارجیوں کا اجتماع ہوا۔ عبدالرحمٰن بن مُلجم، عمرو بن بکیر، برک بن عبداللہ، ان بدبختوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ حضرت معاویہ ابن سفیان اور حضرت عمرو بن عاص کو قتل کردیا جائے۔ ابن مُلجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کے قتل کی ذمہ داری لی۔ اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن عاص کی اور برک نے حضرت معاویہ کے قتل کی ذمہ داری اٹھائی۔ ابن ملجم تو اپنی شقاوت آمیز ذمہ داری میں کامیاب ہوکر "خسرالدنیا والاخرۃ" کا مصداق بنا اور وہ دونوں اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ بہت سویرے مسجد میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور راہ میں سونے والوں کو "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کہہ کر اٹھاتے جاتے تھے۔ ایک رات میں ابن مُلجم مسجد کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپ اس کے قریب کو گذرے تو اس نے پیشانی مبارک پر تلوار ماری جو دماغ کے اندر تک جا پہنچی، داڑھی مبارک خون سے تر ہوگئی۔ لوگ اس حادثہ کو دیکھ کر دوڑ پڑے۔ ابن ملجم کو پکڑ لیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اسکو ابھی قتل نہ کرنا۔ اگر میں اچھا ہوگیا تو میں جو چاہے معاملہ اپنے اختیار سے کروں گا۔ اور اگر انتقال کر گیا تو جس طرح اس نے ایک ضرب میرے لگائی ہے تم بھی لگا دینا۔ آپ کے انتقال کے بعد ابن ملجم کو بے دردی سے قتل کردیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بدنما واقعہ کی اطلاع بہت پہلے دے چکے تھے۔ ایک مرتبہ خود حضرت علی سے فرمایا تھا۔ اے علی پہلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی وہ تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے۔ اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی وہ ہے جو تمہاری اس داڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگین بنادے گا۔

مُتفرِق واقعات

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم پر کئی دن ایسے گذرے کہ نہ تو ہمارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز تھی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ میں چلا جارہا تھا کہ راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا ملا۔ تھوڑی دیر تو میں نے سوچا کہ اسے اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔ آخر کار میں نے اسے اٹھالیا۔ کیونکہ میں اس وقت بڑی تنگی میں تھا اس کو لے کر بازار گیا اور آٹا خرید کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گیا۔

اور ان سے روٹی پکانے کو کہا۔ انھوں نے آٹا گوندھنا شروع کیا۔ مگر بھوک کی وجہ سے ان کی کمزوری کا یہ حال تھا کہ ان کی پیشانی کے بال آٹا گوندھنے کے برتن تک پہنچ رہے تھے۔ بہر حال انھوں نے روٹی پکائی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کھالو کہ یہ اللہ پاک نے تم کو رزق دیا ہے۔

۲ حضرت قیس ابن ابی حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ عمل کی بہ نسبت عمل کے مقبول ہونے کی طرف تقویٰ کے ذریعہ سے زیادہ کوشش کیا کرو۔ تقویٰ کے ہوتے ہوئے کوئی عمل بھی تھوڑا نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ عمل تھوڑا کس طرح ہو سکتا ہے جو قبول کر لیا جاوے۔

۳ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کی تقدیر پر راضی ہو گیا تو تقدیر تو اس پر جاری ہی ہو جائے گی اور اس رضامندی کا اس کو اجر ملے گا۔ اور جو تقدیرِ الٰہی پر راضی نہ ہو تو تقدیر تو اس پر جاری ہو کر رہے گی۔ لیکن ایسے شخص کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

۴ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ لہٰذا جو اس دُنیا میں سے کچھ لینا چاہے وہ کتوں کے ساتھ ملا جلا کرے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ کے اس مقولہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دنیا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں۔ اور جو چیزیں حاجت اور ضرورت کی ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔ (طبقات)

۵ فرمایا ایک مرتبہ میرے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے یہ فرمایا تھا کہ اے علی تمھارے بارے میں دو فریق ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ فریق جو محبت میں افراط اور زیادتی کرے گا اور ان باتوں میں میری تعریف کرے گا۔ جو مجھ میں نہیں۔ اور دوسرا فریق وہ ہلاک ہوگا جو مجھ سے بغض رکھے گا اور میرے سے عداوت رکھنے کی بنا پر مجھ پر بہتان رکھے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ
علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین

محمد زکریا صدیقی کاندھلوی عفی عنہ
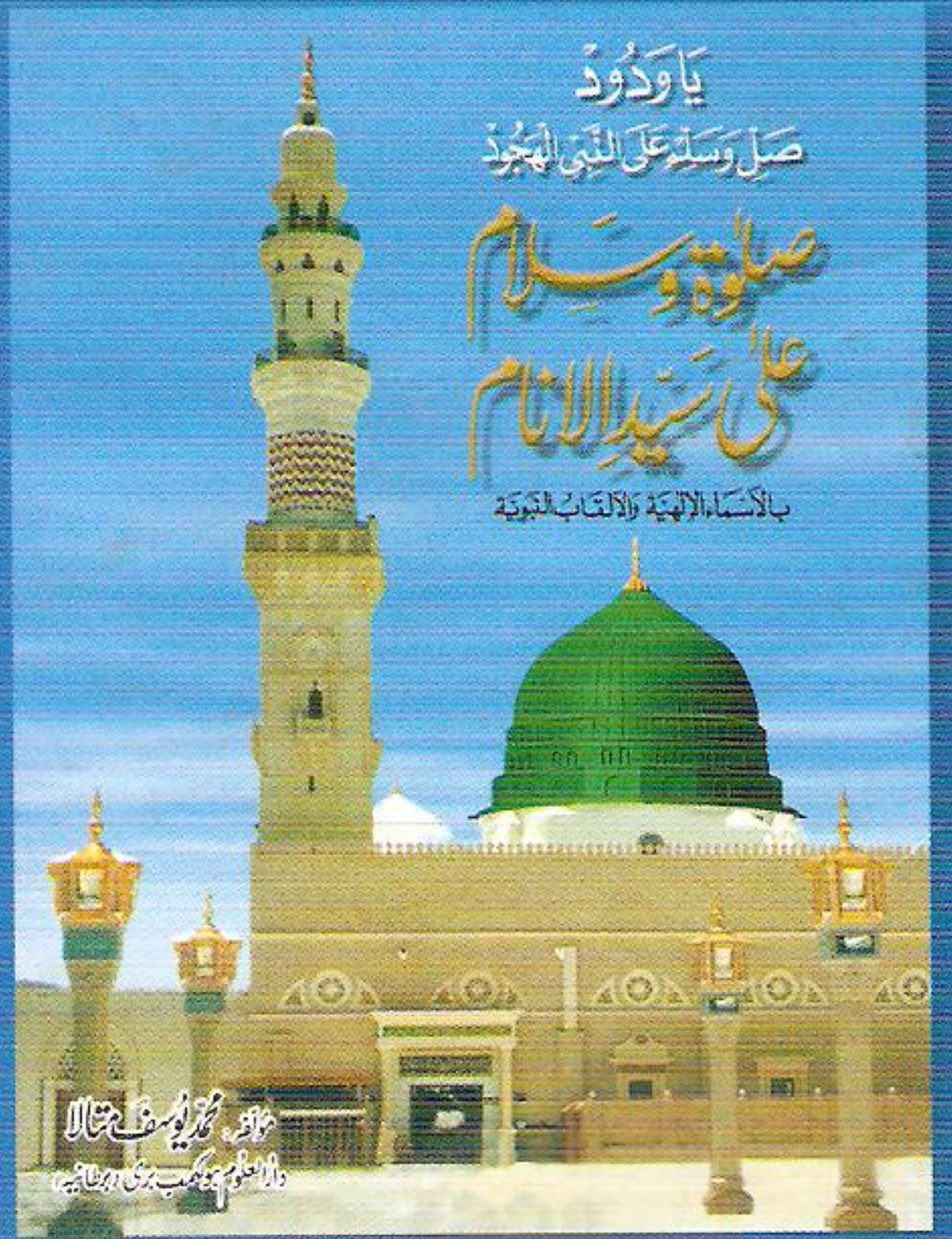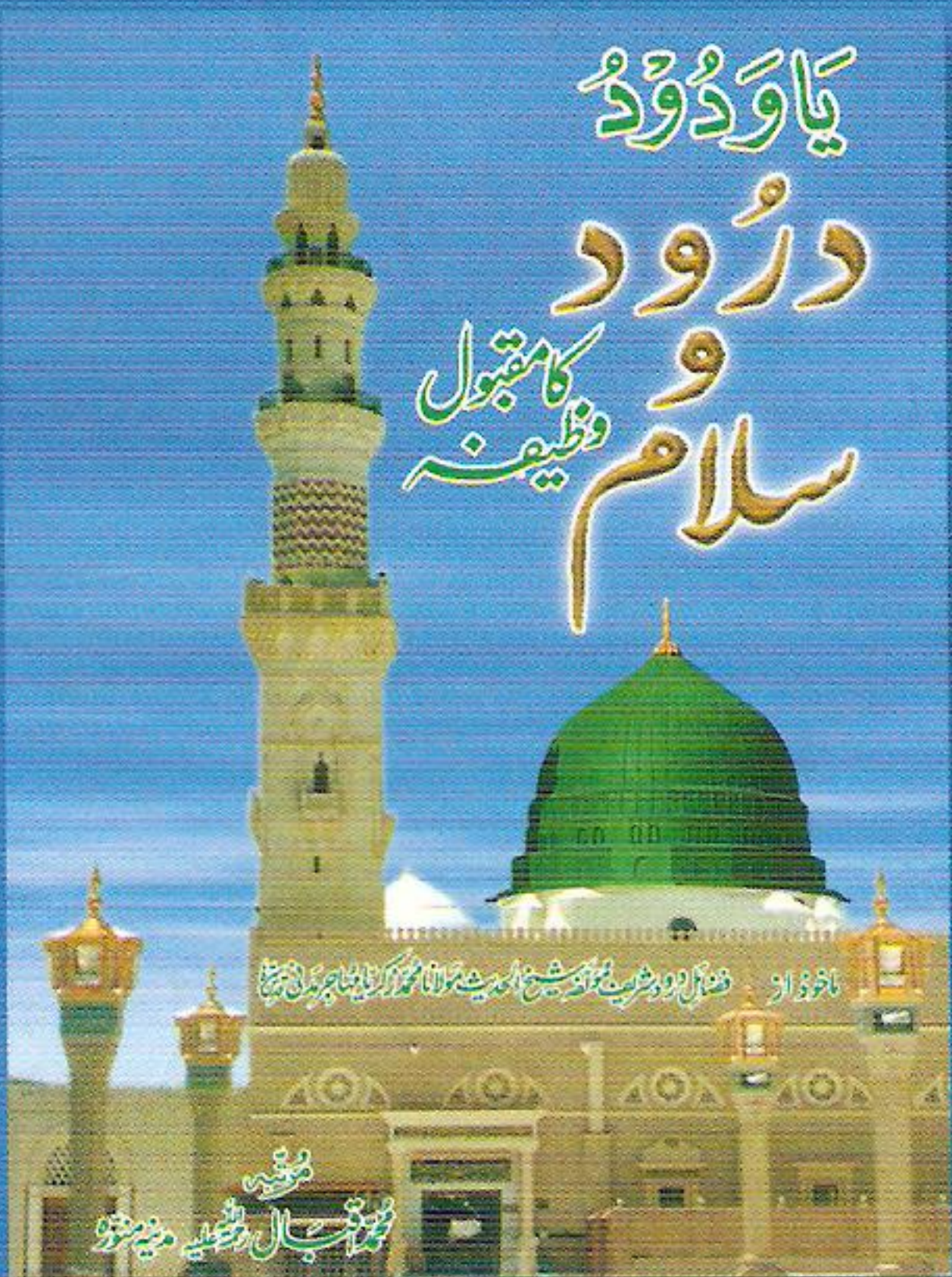
مکتبۃ الحرمین

دکان نمبر ۲۳ الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

فون: ۰۳۲۱-۴۳۹۹۳۱۳

تقسیم کنندہ:

مولوی محمد سلمہ